ہر اتوار کو روزنامہ اسلام کے ساتھ شائع ہوتا ہے

بچوں کا اسلام

روزنامہ اسلام

596 اتوار 19 محرم 1435ھ مطابق 24 نومبر 2013ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

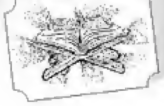

بہت معمولی ہے

’’جن لوگوں نے کفر اپنایا ہے، (اور دوسروں کو اللہ کے راستے سے روک کر ان پر) ظلم کیا ہے، اللہ انھیں بخشنے والا نہیں ہے، اور نہ انھیں کوئی اور راستہ دکھانے والا ہےO سوائے دوزخ کے راستے کے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بات اللہ کے لیے بہت معمولی ہے۔‘‘ (سورہ نسا: 168، 169)

قتل نہ کرو

حضرت رباح بن ربیع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ کسی چیز پر جمع ہو رہے ہیں۔ آپ نے ایک شخص کو ان کی طرف بھیجا کہ جا کر دیکھیں، لوگ کیوں جمع ہیں۔ اس نے واپس آ کر بتایا، وہ ایک عورت پر جمع ہیں جو ماری گئی ہے۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا:
’’کسی عورت اور مزدور کو قتل نہ کرو۔‘‘ (ابوداؤد)

دو باتیں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ: اس مرتبہ میں نے غم اور خوشی کو گلے ملتے دیکھا۔ غم مجھ پر ہنس رہا تھا اور خوشی رو رہی تھی۔

عید کی آمد آمد تھی... گھر کے افراد عید کی تیاریوں میں مگن تھے... کہ اتوار کے روز یعنی 13 اکتوبر 2013 کو شام سوا چار بجے میرے چھوٹے بھائی اخلاق احمد انتقال کر گئے... ہمیں چار بجے ان کے بڑے بیٹے نے اطلاع دی کہ ابا جی کی حالت خراب ہے... جلد آ جائیں، ہم سب وہاں پہنچ گئے... میں نے فوراً محسوس کر لیا کہ ان کی حالت واقعی نازک ہے... وہ جگر کی تکلیف میں مبتلا تھے... ابھی چھ ماہ پہلے ہی ان کی بیماری کا پتا چلا تھا، ورنہ اس سے پہلے تو خود انھیں بھی معلوم نہیں تھا... چھ ماہ پہلے جب گڑبڑ کا احساس ہوا تو انھیں لاہور لے جایا گیا تھا... ڈاکٹر حضرات نے بتایا تھا کہ ان کا جگر تو بالکل تباہ ہو چکا ہے اور یہ کہ پاکستان میں ان کا کوئی علاج نہیں... ہاں بیرونِ ملک لے جائیں، وہاں پورا جگر تبدیل کیا جائے گا...

انھیں واپس جھنگ لایا گیا... اب ہر شخص چپ چپ تھا... تاہم یہ بات انھیں نہیں بتائی گئی تھی... وہ خود کو معمولی بیمار خیال کر رہے تھے... ہم نے ہومیو اور دیسی علاج آزمائے... اس طرح ان کی حالت قدرے بہتر ہوتی محسوس ہوئی... اور چھ ماہ گزر گئے... جب کہ لاہور کے ڈاکٹرز نے دیکھنے کے بعد یہ بتایا تھا کہ انھیں جگر کا کینسر ہے... اور یہ تین چار روز کے مہمان ہیں... تین چار روز چھ ماہ میں پورے ہوئے اور وہ انتقال کر گئے...

اس وقت عید میں صرف تین دن باقی تھے... یعنی عید بدھ کے دن کی تھی... تین دن تعزیت کی مصروفیات رہیں اور اس سے اگلا دن عید کا تھا... تب میں نے غم اور خوشی کو گلے ملتے دیکھا... غم مجھ پر ہنس رہا تھا اور خوشی رو رہی تھی... دونوں اس طرح گلے مل رہے تھے اور خوش ہو رہے تھے کہ جیسے انھیں کوئی غم نہ ہو... کوئی خوشی نہ ہو جیسے وہ ہر قسم کے احساسات سے بے نیاز ہوں...

انتقال کے فوراً بعد میں نے بچوں کا اسلام کے لکھنے والوں کو اور دوسرے دوست احباب کو خبر دے دی تھی... ان سب حضرات نے آگے خبر پہنچائی... روزنامہ اسلام میں خبر بھی شائع ہوئی... اس طرح ملک میں تقریباً سبھی جگہ قارئین کو یہ اطلاع ہو گئی... سبھی نے دعائیں شروع کر دیں... تعزیت کے پیغامات آنے شروع ہو گئے... اور یہ سلسلہ تین دن تک مسلسل جاری رہا... تعزیت کے تمام تر پیغامات کے جوابات دینا میرے لیے ناممکن ہو گیا تھا... سو اب میں ان تمام دوستوں کا عزیزوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں... اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ساتھ ہی درخواست گزار ہوں کہ دعا کے سلسلے کو جاری رکھیں... کہ یہی وقت کی ضرورت ہے... جن حضرات کو علم نہیں ہو سکا... انھیں یہ دو باتیں پڑھ کر ہو گیا... لہٰذا ان سے بھی دعاؤں کی درخواست ہے...

والسلام

سالانہ زرِ تعاون اندرونِ ملک: 600 روپے، بیرونِ ملک: 3700 روپے

خط کتابت کا پتہ
’’بچوں کا اسلام‘‘ دفتر روزنامہ اسلام ناظم آباد 4 کراچی فون: 021 36609983
بچوں کا اسلام انٹرنیٹ پر بھی: www.dailyislam.pk ای میل: bkislam4u@gmail.com

یہ اندازِ مسٹری

حافظ عبدالجبار سیال۔ لاہور

ہمارے دوست مسٹر کلیم کبھی کبھی سوٹا بھی لگا لیا کرتے ہیں۔ خاص طور پر جب باہر سے ان کے ہاں مہمان آیا ہو یا دوستوں کے ساتھ کہیں سیر سپاٹے کا پروگرام ہو یا کبھی موسم سے لطف اندوز ہونے کے لیے کسی پارک کے بینچ پر براجمان ہوں۔ ہر وقت سگریٹ پینے کی عادت ان میں نہیں ہے اور پھر ملاجی کے ساتھ بیٹھتے ہوئے وہ اور بھی زیادہ اس کا خیال کرتے ہیں۔ سگریٹ پینے کے بعد وہ جیب سے الائچی اور سونف نکال کر چبا لیتے ہیں۔ مذاق کے طور پر ہم سے کہتے ہیں:

''ملاجی! آپ تھوڑا حلوہ پسند کرتے ہیں اور ہم تھوڑا سا سوٹا لگانا۔ پسند اپنی اپنی۔''

ہم ایک مدت سے یہ سوچ رہے تھے کہ کسی دن مسٹر کلیم سے یہ ضرور پوچھیں گے کہ جب سگریٹ پینے کی آپ کو عادت نہیں ہے تو مستقل چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔ یہ کبھی کبھار سوٹا لگانے میں آخر راز کیا ہے؟

ابھی یہ سوال ہم کر بھی نہ پائے تھے کہ انھوں نے ہمیں ایک اور اُلجھن میں ڈال دیا۔ ہم نے دور سے دیکھا، مسٹر کلیم کے سر پر ٹوپی تھی اور وہ شلوار قمیص میں ملبوس خراماں خراماں چلے آرہے ہیں۔

ہائیں! ہم نے اپنی آنکھوں کو زور سے رگڑا کہ کہیں خواب تو نہیں دیکھ رہے۔ جب وہ ہمارے قریب آگئے تو ہمیں یقین کرنا ہی پڑا۔ اب ہمارے سوال ایک کے بجائے دو ہوگئے۔ ہمارے لیے مشکل یہ تھی کہ کلیم کی اس تبدیلی پر ہم اگر فوراً سوال کر لیتے تو وہ ناراض ہو جاتے، کیونکہ انھیں یہ سخت ناپسند ہے کہ کوئی ان کے لباس پر تبصرہ کرے۔ ان کا فلسفہ یہ ہے کہ جو جیسے چاہے، لباس زیب تن کرے۔ ڈھیلا ڈھالا ہو یا چست ہو، پورا ہو یا مختصر ہو۔ ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ اگر مسٹر کلیم صاحب ناراض ہو جائیں تو ان کا احتجاج یہ ہوتا ہے کہ وہ بالکل چپ گڑپ ہو جاتے ہیں۔ لاکھ بلوانے پر بھی نہیں بولتے۔ مسٹر کلیم کی یہ ناراضی کسی بھی صورت ہمارے وارے میں نہیں ہے۔ انھوں نے آتے ہی ہمیں ساتھ چلنے کی دعوت دے ڈالی۔ ''ملاجی! آیئے ہمارے ساتھ چلیے۔ آج بچّی کے سکول میں محفل نعت خوانی منعقد ہو رہی ہے۔

''محمد کے غلاموں کا کفن میلا نہیں ہوتا۔''

مسٹر کلیم بہت جوش میں تھے۔ انھوں نے اپنی پسندیدہ نعت کا ایک مصرعہ بھی ہمیں اسی وقت سنایا۔

باتوں باتوں میں ہم نے ان سے پوچھ ہی لیا:

''سرا کبھی کبھار سگریٹ! نعت خوانی میں ٹوپی اور شلوار قمیص۔ یہ راز کیا ہے؟''

''ملاجی! یہی تو آپ کا بڑا مسئلہ ہے۔ آپ لوگوں کو زمانے کے ساتھ چلنا ہی نہیں آتا۔

چلو تم ادھر کو جدھر کی ہوا ہو۔''

آپ ملا لوگوں کی سوچ اتنی محدود ہوتی ہے کہ آپ کو کوئی دوسرا طریقہ پسند ہی نہیں آتا اور ساتھ میں خیر سے اپنے طریقے بھی دوسروں کے سر تھوپنے کی کوشش کرتے ہیں۔ افغانستان کے ملا (طالبان) کو آج دنیا کیوں تسلیم نہیں کر رہی۔ یہی وجہ ہے نا! اور کیا؟

''مسٹر کلیم صاحب! جس طریقے کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند کیا ہو، اس پر مضبوطی اور سختی سے کاربند رہنا، یہ تو عین ایمان کا تقاضا ہے۔ اس راستے سے ادھر اُدھر ڈولنے کو رب تعالیٰ پسند نہیں فرماتے۔ میں آپ کو حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کے ماموں حضرت سری سقطی رحمہ اللہ کا واقعہ سناتا ہوں۔

وہ ایک مرتبہ ایک درخت کے نیچے لیٹے ہوئے تھے کہ ان کے لیے ایک کرامت ظاہر ہوئی۔ درخت سے آواز آنے لگی۔

''اے سری سقطی! ہمارے جیسے ہو جاؤ۔''

انھوں نے پوچھا: ''آپ جیسا کیسے ہو جاؤں؟''

درخت سے آواز آئی: ''دیکھو! لوگ مجھے پتھر مارتے ہیں اور میں ان کو پھل پیش کرتا ہوں'' (یعنی برائی کا بدلا اچھائی سے دیتا ہوں)

انھوں نے فرمایا: ''اگر تم اتنے اچھے ہو تو پھر خدا تعالیٰ تم کو آگ کی غذا کیوں بناتا ہے؟''

درخت نے جیسے ٹھنڈی سانس لی اور بولا: ''بس ایک کمی ہے میرے اندر جو رب تعالیٰ کو پسند نہیں اور وہ کمی یہ ہے کہ جدھر کی ہوا ہو، اُدھر ڈول جاتا ہوں۔

مسٹر کلیم! صحابہ کرام اور ہمارے ایمان کے درمیان بنیادی فرق بھی یہی ہے کہ ان کا ایمان محض زبانی کلامی یا وعدے کی حد تک کا نہیں تھا، بلکہ وہ ایک ایسا طبعی ایمان تھا جس کی جڑیں ان کے دلوں میں مضبوط تھیں۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گہری عقیدت و محبت سے سرشار تھے۔

یہی وجہ تھی کہ معیشت ہو یا معاشرت، سیرت و اخلاق ہوں یا عبادات و معاملات یہاں تک کہ شکل و صورت اور لباس و وضع قطع تک زندگی کے ہر شعبے میں انھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طور و طریق کے سوا کوئی اور طریقہ بھاتا ہی نہیں تھا اور اس طریقے پر عمل کرتے ہوئے نہ انھوں نے کبھی کسی کی ملامت کی پروا کی، نہ کسی کی تنقید کو خاطر میں لائے اور نہ کبھی غیروں کے مذاق اُڑانے کا کوئی اثر قبول کیا۔ انھوں نے کبھی غیر مسلموں کو خوش کرنے یا ان کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی چھوٹی سی چھوٹی سنت کو بھی چھوڑنا گوارا نہیں کیا۔

ہماری تاریخ سنت کی پیروی کے ایسے جذبے والے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ صرف ایک واقعہ آپ کے گوش میں گزار کرتا ہوں۔

حضرت جثامہ بن مساحق کنانی رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہرقل شاہ روم کے پاس اپنا ایلچی بنا کر بھیجا۔ بادشاہ نے اسے ایک کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ کرسی پر بیٹھ گئے۔ جب انھوں نے غور کیا تو وہ سونے کی تھی۔ وہ فوراً وہاں سے اُتر کر نیچے بیٹھ گئے۔ بادشاہ کہنے لگا: ''اس کرسی پر بٹھا کر ہم نے تمہارا اکرام کیا اور تم نیچے بیٹھ گئے۔''

انھوں نے جواب میں فرمایا: ''میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ اس جیسی کرسی کے استعمال سے منع فرماتے تھے۔'' (کنز العمال)

یہ باتیں کرتے کرتے ہم سکول کے دروازے پر پہنچ گئے۔ مسٹر کلیم نے ایک گہرا سانس لیا اور کہا: ''ملا جی! آپ نے صحیح فرمایا۔ عملی طور پر سیرت کو اپنانے کی ضرورت ہے۔ ہماری نعت خوانیوں کی محفلوں میں عام طور پر محض زبانی جمع خرچ ہی سے کام لیا جاتا ہے۔''

ہمیں چونکہ اپنے سوالوں کا جواب مل گیا تھا، اس لیے ہم نے مسٹر کلیم سے اجازت چاہی اور وہاں سے رخصت ہوگئے۔ جب ہم وہاں سے جانے لگے تو ہمیں حیرت کا شدید جھٹکا لگا:

سامنے بینر پر مسٹر کلیم کی تصویر لگی تھی اور ساتھ لکھا تھا:

''محمد کے غلاموں کا کفن میلا نہیں ہوتا۔''

واقعات صحابہ کے

86

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

حضرت ابوبکر بن خالد رحمہ اللہ حضرت سعد بن مالک ؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے ان سے پوچھا:

"مجھے خبر ملی ہے کہ آپ لوگوں کو کوفے میں حضرت علی ؓ کو برا بھلا کہنے پر مجبور کیا جاتا ہے، تو کیا آپ نے انھیں کبھی برا کہا ہے۔"

حضرت سعد ؓ نے فرمایا:

"اللہ کی پناہ! اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں سعد کی جان ہے، میں نے حضور ﷺ سے حضرت علی ؓ کی شان کے بارے میں کچھ ایسے فضائل سنے ہیں کہ اگر میرے سر کے درمیانی حصے پر آرا رکھ دیا جائے اور مجھ سے کہا جائے کہ انھیں برا کہوں تو بھی انھیں برا نہیں کہوں گا۔" (حیاۃ الصحابہ)

O

ابوعبداللہ جدلی رحمہ اللہ حضرت ام سلمہ ؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے فرمایا: "تم لوگوں کی موجودگی میں رسول اللہ ﷺ کو برا بھلا کہا جاتا ہے۔"

انھوں نے یہ سن کر عرض کیا: "اللہ کی پناہ! بھلا آپ ﷺ کو کیسے برا کہا جا سکتا ہے۔"

اس پر حضرت ام المومنین حضرت ام سلمہ ؓ نے فرمایا: "میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے علی کو برا کہا، اس نے مجھے برا کہا۔"

O

حضرت ابوبکر صدیق ؓ ایک روز حضور ﷺ کے منبر پر تھے۔ اتنے میں حضرت حسن ؓ وہاں آگئے۔ یہ ابھی کم عمر بچے تھے۔ انھوں نے کہا:

"آپ میرے نانا کے منبر پر سے اتر آئیں۔"

یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے فرمایا:

"تم نے ٹھیک کہا! یہ تمہارے نانا ابا کے بیٹھنے کی جگہ ہے۔"

پھر آپ نے حضرت حسن ؓ کو گود میں اٹھالیا اور رونے لگے۔ یہ دیکھ کر حضرت علی ؓ نے کہا:

"اللہ کی قسم! میں نے اس بچے سے ایسی کوئی بات نہیں کہی۔ یہ اپنی طرف سے کہہ رہا تھا۔"

حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے فرمایا: "آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ اللہ کی قسم! مجھے آپ پر کوئی شبہ نہیں۔"

O

حضرت عمر فاروق ؓ منبر پر بیان فرما رہے تھے کہ اتنے میں حضرت حسین بن علی ؓ نے کھڑے ہو کر کہا:

"آپ میرے نانا کے منبر پر سے اتر آئیں۔"

حضرت عمر ؓ نے فرمایا:

"بے شک! یہ تمہارے نانا کا ہے، میرے باپ کا نہیں، لیکن تمہیں ایسا کہنے کے لیے کس نے کہا؟"

اس پر حضرت علی ؓ نے کھڑے ہو کر کہا:

"اسے ایسا کہنے کے لیے کسی نے نہیں کہا۔"

پھر حضرت علی ؓ نے حضرت حسین ؓ سے کہا:

"میں تمہاری ہی خوب پٹائی کروں گا۔"

اس پر حضرت عمر ؓ نے فرمایا:

"اسے کچھ نہ کہنا، یہ ٹھیک کہہ رہا ہے، یہ اس کے نانا کا منبر ہے۔"

O

حضرت حسین ؓ ایک دن حضرت عمر ؓ کے گھر گئے۔ آپ اندر حضرت امیر معاویہ ؓ سے بات چیت کر رہے تھے اور دروازے پر آپ کے بیٹے حضرت عبداللہ کھڑے تھے، گویا انھیں اندر جانے کی اجازت نہیں ملی تھی۔ یہ دیکھ کر حضرت حسین ؓ واپس لوٹ گئے۔ اس کے بعد جب ان کی ملاقات حضرت عمر ؓ سے ہوئی تو انھوں نے فرمایا:

"اے میرے بیٹے! تم ہمارے پاس کیوں نہیں آئے۔"

انھوں نے بتایا:

"میں ایک دن آیا تھا، آپ اندر حضرت امیر معاویہ ؓ سے تنہائی میں بات کر رہے تھے اور آپ کے بیٹے حضرت عبداللہ ؓ کو اندر جانے کی اجازت نہیں ملی تھی اور وہ واپس لوٹ گئے تھے، اس لیے میں بھی واپس لوٹ گیا تھا۔"

یہ سن کر حضرت عمر ؓ نے فرمایا:

"نہیں! تم عبداللہ سے زیادہ اجازت ملنے کے حق دار ہو، کیونکہ ہمارے سروں پر جو آج یہ شرافت کا تاج نظر آرہا ہے، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے آپ کے گھرانے کی برکت سے دیا ہے۔"

پھر حضرت عمر ؓ نے ان کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھ دیا۔"

O

حضور ﷺ کی وفات کے چند دن بعد حضرت ابوبکر صدیق ؓ عصر کی نماز پڑھ کر مسجد سے باہر نکلے۔ حضرت علی ؓ بھی آپ کے ساتھ چل رہے تھے۔ ایسے میں آپ حضرت حسن ؓ کے پاس سے گزرے۔ وہ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے انھیں اپنے کندھے پر بٹھالیا اور یہ شعر پڑھنے لگے:

"اس بچے پر میرا باپ قربان، اس کی شکل صورت نبی کریم ﷺ سے ملتی جلتی ہے۔ حضرت علی ؓ سے نہیں ملتی۔"

حضرت علی ؓ یہ سن کر ہنسنے لگے۔

O

حضرت ابو ہریرہ ؓ کی ملاقات حضرت حسن ؓ سے ہوئی۔ حضرت ابو ہریرہ ؓ نے ان سے کہا:

"آپ ذرا اپنے پیٹ پر سے اس جگہ سے کپڑا ہٹا دیں جس جگہ پر میں نے حضور ﷺ کو بوسہ لیتے دیکھا ہے۔"

حضرت حسن ؓ نے کپڑا ہٹایا تو حضرت ابو ہریرہ ؓ نے اس جگہ کا بوسہ لے لیا۔

O

کچھ لوگ حضرت ابوہریرہ ؓ کے پاس بیٹھے تھے۔ ایسے میں حضرت حسن ؓ ادھر سے گزرے۔ انھوں نے ان حضرات کو سلام کیا، ان حضرات نے سلام کا جواب دیا۔ حضرت ابو ہریرہ ؓ کو حضرت حسن ؓ کے گزرنے اور سلام کرنے کا پتا نہ چلا۔ کسی نے انھیں بتایا:

"یہ سلام حضرت حسن ؓ نے کیا تھا۔"

یہ سن کر حضرت ابو ہریرہ ؓ فوراً ان کے پیچھے گئے اور ان سے کہا:

"اے میرے سردار! وعلیک السلام۔"

کسی نے ان سے کہا:

"آپ انھیں میرے سردار کہہ رہے ہیں۔"

حضرت ابوہریرہ ؓ نے فرمایا:

"میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا، یہ سردار ہیں۔" (جاری ہے)

تین سوال

ایک رومی دانش مند بغداد میں خلیفہ کے دربار میں حاضر ہوا۔ اس نے کہا، میرے پاس ایسے تین سوال ہیں کہ آپ کی پوری سلطنت کے علماء بھی جمع ہو کر ان کا جواب نہیں دے سکتے۔ خلیفہ حیران ہوا۔ اس نے اعلان کرا دیا۔ علماء اور بڑے بڑے فقہاء جمع ہوئے۔ امام اعظم بھی تشریف لائے۔

رومی دانش مند نے اپنے لیے منبر رکھوایا تھا۔ جب سب علماء آ گئے تو رومی نے منبر پر چڑھ کر علماء اسلام کو علی الترتیب اپنے تین سوال پیش کیے۔

1 یہ بتاؤ کہ خدا سے پہلے کون تھا؟

2 اور یہ بتاؤ کہ اس وقت خدا کا رخ کدھر ہے؟

3 اور یہ بتاؤ کہ اس وقت خدا تعالیٰ کیا کر رہا ہے؟

یہ بظاہر بڑے پریشان کن سوالات تھے۔ مجمعے پر سکوت طاری تھا اور سب جواب سوچ رہے تھے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ آگے بڑھے اور فرمایا:

''آپ نے منبر پر بیٹھ کر سوالات بیان کیے ہیں تو مجھے بھی ان کے جوابات منبر پر بیٹھ کر دینے چاہییں، تاکہ سب حاضرین آسانی سے سن سکیں، لہٰذا اب تمہیں منبر سے نیچے اُتر آنا چاہیے۔ رومی دانش مند منبر سے نیچے اُترا تو امام اعظم منبر پر تشریف لے گئے اور رومی کو مخاطب کر کے کہا۔ اب نمبر وار اپنے سوال دہراتے جاؤ اور ان کا جواب سنتے جاؤ۔ رومی دانش مند ترتیب سے سوالات دہراتا رہا اور امام صاحب جوابات دیتے رہے۔''

1 پہلے سوال کے جواب میں امام صاحب نے کہا، دس تک گنتی شمار کرو۔ رومی نے دس تک گنتی شمار کی۔ آپ نے فرمایا، دس سے پیچھے کی طرف اُلٹی گنتی کرو۔ رومی نے 10 سے ایک تک گنتی کی تو آپ نے فرمایا کہ ایک سے پہلے گنو۔ رومی نے کہا کہ ایک سے پہلے کوئی گنتی نہیں ہے تو امام ابوحنیفہ نے فرمایا، یعنی جب واحد مجازی لفظ سے پہلے کوئی چیز نہیں ہو سکتی تو پھر واحدِ حقیقی سے پہلے کس طرح کوئی چیز ہو سکتی ہے تو خدا بھی ایک ہے۔ اس سے پہلے کچھ بھی نہیں ہے۔

2 دوسرے سوال کے جواب میں آپ رحمہ اللہ نے ایک شمع روشن کی اور کہا، بتاؤ اس کا رخ کدھر ہے۔ رومی نے کہا، سب کی طرف ہے۔ امام صاحب نے کہا، شمع مخلوق ہے۔ اس کا رخ آپ مقرر نہیں کر سکتے۔ تو خالق کا رخ مقرر کرنے میں بے چارے عاجز بندوں کا کیا دخل، بہرحال خدا تعالیٰ کا رخ بھی سب کی طرف ہے۔

3 تیسرے سوال کے جواب میں آپ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس وقت خدا تعالیٰ نے تجھے منبر سے نیچے اُتار دیا اور مجھے منبر پر بیٹھنے کی عزت بخشی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ یہ کر رہا ہے۔

رومی دانش مند نے جوابات سنے تو شرمندہ ہوا اور راہِ فرار اختیار کی۔

(حوالہ: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے حیرت انگیز واقعات)

خولہ بنت فوز الحق۔ کراچی

حیرت بھری کہانی

میں اس کہانی کو پڑھ کر حیرت میں ڈوب گیا، خوشی بھی بہت ہوئی... فوراً ہی اسے شائع کرنے پر مجبور ہو گیا... لیکن پھر فوراً ہی مجھے ایک زبردست جھٹکا لگا... یہ جھٹکا رنج اور افسوس کا جھٹکا تھا... اس کہانی پر نام تھا نہ پتا... اب جی تو چاہ رہا تھا، اسے فوراً شائع کر دیا جائے، بلکہ لکھنے والے کو فون کر کے اس کی کہانی کی تعریف بھی کر دی جائے... لیکن وہاں تو نام تھا نہ پتا، فون نمبر تو کیا ہوتا... ویسے میرا طریقہ یہ ہے کہ جب کسی کی کوئی بہت ہی اچھی کہانی ملتی ہے تو فون پر اس کی تعریف کر دیتا ہوں... کسی بچی کی ہو تو ایس ایم ایس کر دیتا ہوں... فون نمبر نہ ہو اور پتا لکھا ہو تو پھر خط کے ذریعے یہ کام کرتا ہوں... کئی لکھنے والے اس بات کی تصدیق کریں گے...

لیکن اس لکھنے والے پر مجھے بہت غصہ آ رہا ہے... اتنی اچھی کہانی اگر نام اور پتے کے بغیر شائع کرتا ہوں تو بہت برا لگے گا... شائع نہیں کرتا، تب بھی دل پر بوجھ محسوس کرتا رہوں گا... اور تو کچھ نہیں سوجھی... یہ چند سطریں لکھ دی ہیں، تاکہ سند رہیں اور بوقتِ ضرورت کام آئیں... اور لکھنے والے اس بات کی ضرورت محسوس کر لیں کہ کہانی کے پہلے صفحے پر ہی کہانی کے نام کے ساتھ پتا... شہر کا نام اور فون نمبر ضرور بالضرور درج ہونا چاہیے... سچ بات یہی ہے کہ اس وقت میں اس لکھنے والے کی تعریف بھی کرنا چاہتا ہوں اور پتا اور فون نمبر نہ لکھنے کی بنیاد پر اسے چند کھری کھری بھی سنانا چاہتا ہوں، لیکن افسوس! اس نے مجھے ان دونوں کاموں کا نہیں چھوڑا... کئی اور ایسے لکھنے والے ہیں، ان کی کہانی پر نام تو ہوتا ہے... شہر کا نام بھی ہوتا ہے... درمیان میں مختصر سا پتا بھی ہوتا ہے... لیکن اس نامکمل پتے کو اب کیا کوئی چاٹے...

جھنجلاہٹ کے عالم میں جب مجھے کوئی بات نہیں سوجھتی تو میں اپنی جھنجلاہٹ دور کرنے کے لیے ایسی تحریر کا سہارا لیا کرتا ہوں... آپ کوئی خیال نہ فرمائیں... جی ہاں شکریہ... اور اسی لیے اس تحریر کو بلا عنوان کا عنوان دے رہا ہوں، امید ہے، یہ عنوان پسند آئے گا... اپنا نام پتا اس لیے نہیں لکھ رہا ہوں کہ آپ سبھی کو معلوم ہے...

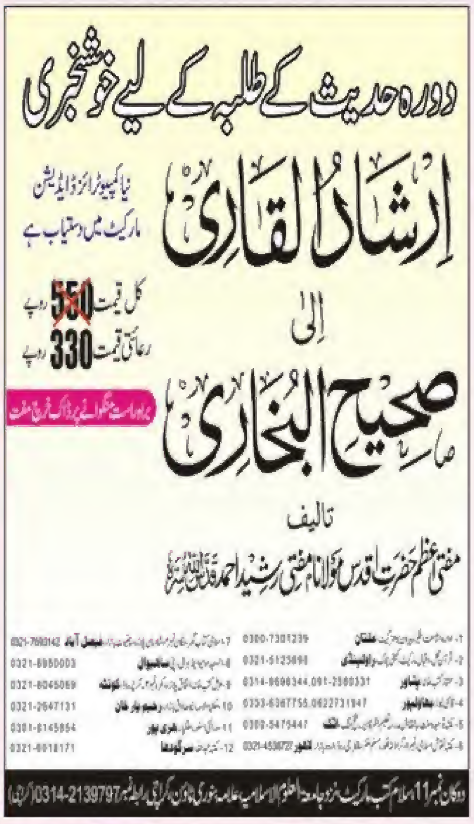

تصویر کی دھمکی

12

کمرے میں چند لمحوں کے لیے موت کی سی خاموشی چھا گئی... ہر کسی کے ذہن میں تصویروں کا لفافہ اور اس کی قیمت گونجنے لگی... ساتھ ہی یہ سوال گردش کرنے لگا کہ آخر وہ تصویریں کیسی ہیں؟ کیا واقعی اس لفافے میں شابو کے جرم کا ثبوت موجود ہے... آخر اس خاموشی کو انوار صدیقی نے توڑا:

"سردار ہارون صاحب، آپ خاموش کیوں ہیں... کیا آپ انسپکٹر کامران مرزا کی بات کا جواب نہیں دیں گے۔"

"اب انھیں جواب بھی دینا پڑے گا اور وہ لفافہ بھی ہمیں دکھانا ہوگا، ورنہ کام کیسے چلے گا... یہ معمہ کیسے حل ہوگا؟" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"ابا جان ہم بے چین ہیں... پلیز جواب دیجیے۔" سردار ہارون کا بیٹا تقریباً چیخ کر بولا۔

"ڈیڈی، ہم لوگ انتظار کر رہے ہیں... سب آپ کا جواب سننا چاہتے ہیں... یہ تصویروں والے لفافے کا آخر کیا معاملہ ہے۔" سردار ہارون کی بیٹی نے بھی اپنے بھائی کے انداز میں کہا۔

"آپ بولتے کیوں نہیں، آپ کو کیا ہوگیا ہے۔" بیگم سردار ہارون بول اٹھیں۔

لیکن اس پر بھی سردار ہارون اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوئے، نہ انھوں نے زبان کھولی... وہ تو پتھرائی ہوئی آنکھوں سے انسپکٹر کامران مرزا کو تکے جا رہے تھے... انھوں نے غور سے ان کی طرف دیکھا اور پھر چونک کر اپنی کرسی سے اُٹھے... سردار ہارون کے قریب جا کر انھوں نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر انھیں آہستہ سے ہلایا... دوسرے ہی لمحے وہ آگے کو جھکتے چلے گئے... اور پھر زمین پر آ رہے...

"ڈیڈی۔" سردار ہارون کی بیٹی چلائی۔

"ابا جان۔" بیٹے نے ایک خوف ناک چیخ ماری۔

"سرتاج۔" بیوی دھاڑ مار کر آگے بڑھی۔

انسپکٹر کامران مرزا جھکے اور انھوں نے سردار ہارون کی نبض پر انگلیاں رکھ دیں... پھر نفی میں سر ہلاتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے...

"یہ آپ لوگوں کا ساتھ چھوڑ چکے ہیں۔"

"نہیں۔" ان کی چیخ نے کمرے کی فضا میں تھرتھراہٹ پیدا کر دی... تینوں اس کی لاش پر گرے اور رونے لگے...

"لل... لیکن... لیکن جناب یہ کیا ہوا؟"

"شاید ہارٹ فیل... لفافے کا راز یہ اپنی زبان سے بتانا پسند نہیں کرتے تھے، لیکن اب انکار کی گنجائش نہیں رہی تھی، اس لیے برداشت نہ کر سکے اور اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

"اُف خدا، کس قدر درد ناک حادثہ ہے... آپ کو شاید معلوم نہیں، سردار صاحب قصبہ بلوشاں کی بہت مشہور شخصیت تھے، محفلوں کی رونق تھے... بڑے بڑے افسروں سے ان کے تعلقات تھے۔"

اشتیاق احمد

"ہوں، موت کچھ نہیں دیکھتی صدیقی صاحب، اب ان کے پوسٹ مارٹم کا بندوبست کیجیے۔"

"کیوں، پوسٹ مارٹم کی کیا ضرورت؟" انوار صدیقی نے حیران ہو کر کہا۔

"ضرورت ہے، یہ یقین کرنے کے لیے کہ ان کی موت واقعی ہارٹ فیل سے ہوئی ہے؟" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"لیکن اس میں اب شک بھی کیا ہے؟"

"ٹھیک ہے، کوئی شک نہیں ہے، لیکن ہمیں کارروائی تو ہر لحاظ سے مکمل کرنا ہوگی۔" انھوں نے کہا۔

"اچھی بات ہے... میں انتظام کرتا ہوں۔" انوار صدیقی نے کہا اور فون پر جھک گیا۔

آفتاب اور آصف اکتاہٹ بھی محسوس کر رہے تھے اور بے چینی بھی... وہ جلد از جلد تصویروں کا لفافہ تلاش کر لینا چاہتے تھے اور سوگوار فضا میں ٹھہرنا بھی ان کے لیے مشکل ہو رہا تھا... انوار صدیقی فون کر کے فارغ ہوا تو انسپکٹر کامران مرزا بولے:

"میرا خیال ہے، ان حالات میں اب ہم کچھ نہیں کر سکیں گے... آپ تجوری پر ایک کانسٹیبل کو نگرانی کے لیے مقرر کر دیں... اب ہم کل تجوری کی تلاشی لیں گے... اس دوران پوسٹ مارٹم بھی ہو جائے گا اور گھر کے افراد کو بھی کچھ قرار آ جائے گا۔"

"تجویز مناسب ہے۔"

چنانچہ وہ وہاں سے رخصت ہوئے اور اپنے ہوٹل میں آ گئے... آفتاب اور آصف کے ذہن بری طرح الجھے ہوئے تھے، تاہم ٹیکسی میں انھوں نے کوئی سوال نہ کیا، پھر جونہی کمرے میں داخل ہوئے، آفتاب نے کہا:

"ابا جان، کم از کم آپ یہ بتا دیں کہ آپ نے ہمیں میک اپ میں یہاں کیوں بھیجا تھا... اس معاملے میں تو ہم اتفاق سے پھنس گئے ہیں... ظاہر ہے کہ اس چکر کے لیے تو آپ نے ہمیں ہرگز نہیں بھیجا تھا۔"

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، تمھیں یہ بھی بتا دیا جائے گا کہ تمھیں یہاں کیوں بھیجا گیا تھا، لیکن پہلے اس کیس سے تو نبٹ لو... کیا تم تصویروں کے لفافے کا راز نہیں جاننا چاہتے؟"

"جی، کیوں نہیں جاننا چاہتے۔" آصف بولا۔

"تو پھر پہلے اپنے ذہن کو صرف اس معاملے میں الجھاؤ۔ صرف یہ سوچو کہ اس لفافے میں کیا ہے اور لفافہ اب ہمیں کس طرح ملے گا۔"

"ابا جان، نقاب پوش اور سردار ہارون کی گفتگو کے دوران یہ بات سامنے آئی تھی کہ سردار ہارون نے اپنے کسی دور کے رشتے دار کو ایک خط کے ذریعے تصویروں کے لفافے کے بارے میں لکھ دیا ہے اور اگر سردار ہارون کی موت غیر قدرتی طور پر ہوتی ہے تو وہ رشتے دار پولیس کو اس لفافے کے بارے میں بتا دے گا۔" آفتاب نے گویا یاد دلایا۔

"ہاں، مجھے یہ بات یاد ہے، پھر... تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"یہ کہ صبح کے اخبار میں یہ خبر آ جانی چاہیے کہ سردار ہارون کا پُراسرار حالات میں انتقال ہو گیا... پولیس ان کی موت کی وجہ معلوم کرنے کی کوشش کر رہی ہے... اور اس سلسلے میں ان کے رشتے داروں سے رابطہ قائم کر رہی ہے... یہ خبر پڑھ کر وہ رشتے دار ضرور منظرِ عام پر آ جائے گا۔"

"ہوں، ترکیب تو لاجواب ہے، خیر میں ابھی انوار صدیقی کو فون کرتا ہوں۔"

انھوں نے کہا اور فون پر جھک گئے... دوسرے دن صبح کے اخبار میں یہ خبر پڑھ ہی رہے تھے کہ انوار صدیقی ان کے کمرے میں داخل ہوا... اس کا چہرہ سفید ہو رہا تھا... آنکھیں فکر میں ڈوبی معلوم ہو رہی تھیں... اندر آتے ہی وہ دھم سے کرسی میں گر گیا...

"خیر تو ہے صدیقی صاحب؟"

"خیر، خیر کہاں جناب... ایسا معلوم ہوتا ہے، خیر کا اس قصبے سے جنازہ نکل گیا ہے... میں حیران ہوں، یہ ہو کیا رہا ہے... کئی سال سے قصبے میں کوئی واردات نہیں ہوئی تھی... ہم چین کی بنسری بجا رہے تھے... بس لے دے کے ایک گھوش سے مجھے کچھ خطرہ تھا، اس لیے اس کی نگرانی بھی میں خود کر رہا ہوں، تاکہ وہ کہیں

کوئی واردات نہ کر سکے کہ یہ معاملہ سر پر آپڑا ہے۔"

"لیکن اب کیا ہوا ہے، آپ اتنے فکر مند کیوں ہیں، گھبرائے ہوئے کیوں ہیں؟" انسپکٹر کامران مرزا نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"آپ کہہ رہے ہیں کیا ہوا ہے، یہ پوچھیے، کیا نہیں ہوا ہے... میری تو عقل حیران ہے کہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے، آپ بھی وہاں موجود تھے، میں بھی وہاں موجود تھا، باقی لوگ بھی تھے... ہم سب کے سامنے ہی سردار ہارون ساکت ہو گئے تھے... آپ ہی نے تو ان کی نبض دیکھی تھی، پھر بھلا یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔" وہ پھر کہتے کہتے رک گیا... انسپکٹر کامران مرزا، آفتاب اور آصف کو شدید اُلجھن محسوس ہونے لگی تھی... ساتھ میں انھیں انوار صدیقی پر غصہ بھی آرہا تھا کہ وہ جلدی سے بات مکمل کیوں نہیں کر دیتا۔

"ہاں ہاں، تو پھر کیا ہوا؟" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"اب پوسٹ مارٹم کی رپورٹ ایک نئی کہانی سنا رہی ہے۔" انوار صدیقی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"کیا مطلب؟" تینوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"جی ہاں، یہ رہی رپورٹ... اس کی رو سے سردار ہارون کی موت ہارٹ فیلیور سے نہیں، زہر سے واقع ہوئی ہے۔"

"کیا؟" ان کے منہ سے چیخنے کے انداز میں نکلا۔

(جاری ہے)

مُختصر پُر اَثر

حضرت یحییٰ بن اکثم رحمہ اللہ کی وفات کے بعد کسی نے انھیں خواب میں دیکھا تو پوچھا:

"اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟"

آپ نے جواب دیا: "پہلے تو مجھ سے مختلف قسم کے سوالات کیے جاتے رہے کہ تو نے یہ کیا، یہ کیا اور وہ کیا، یہاں تک کہ میں خوف زدہ ہو گیا۔ تب میں نے عرض کیا:

"اے پروردگار! مجھے آپ کے بارے میں ایک خبر پہنچی ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے پوچھا: "کون سی خبر اور تجھے کہاں سے ملی؟"

میں نے عرض کیا: "میں نے عبدالرزاق سے، عبدالرزاق نے معمر سے، معمر نے زہری سے، زہری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ سے سنا تھا کہ حق تعالیٰ بندے سے وہی سلوک کرتا ہے جس کا بندے کو گمان گزرتا ہے اور جس کا وہ امیدوار ہوتا ہے اور میں امیدوار ہوں کہ تو مجھ پر رحمت کرے گا۔"

اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"بالکل سچ کہا جبرئیل نے اور بالکل سچ کہا میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اور بالکل سچ کہا انس رضی اللہ عنہ نے اور زہری نے اور معمر نے اور عبدالرزاق نے اور لے میں تجھ پر رحمت کرتا ہوں۔"

تب مجھے خلعت عطا ہوئی اور جنت کے غلمان خادموں کی طرح آگے پیچھے پھرتے ہیں اور ڈل ڈل میری خدمت کو موجود ہیں اور مجھے وہ مسرت حاصل ہے جو میرے گمان میں بھی نہیں تھی۔"

لاہور 0321-4538727 ملتان 0300-7301239 راولپنڈی 0321-5123698 کوئٹہ 0333-7900840 سکھر 0321-5628333 میرپور خاص 0333-2953808 رحیم یار خان 0321-2647131
حیدرآباد 0300-9371712 جھنگ 0477-650265 پشاور 0314-9696344 مانسہرہ 0321-5882313 منڈی بہاؤالدین 0300-3242290 صادق آباد 0333-7417605 بہاولپور 0333-6367755
ساہیوال 0321-6950003
فیصل آباد 0321-7693142
سیالکوٹ 0345-6778683
ایم آئی ایس فاؤنڈیشن بلاک سی، آدم جی نگر، نزد پرانا دھوراجی کراچی۔ پوسٹ کوڈ: 75350
فون: 021-34944448,0321-2220104 ویب سائٹ: www.mis4kids.com
آن لائن بینکنگ

اچھے وقت کا انتظار

عبیرہ عبدالسمیع۔ رحیم یار خان

''میرا خیال ہے کہ میں ایک عظیم سائنس دان ہوں۔''

وہ چاروں دوست پیپر کی تیاری کے سلسلے میں عبدالصمد کے گھر جمع تھے کہ اچانک ابوبکر نے یہ شوشہ چھوڑ کر سب کو ایک عظیم حیرت سے دوچار کر دیا۔ ولید تو حیرت سے آنکھیں پٹپٹا کر دیکھنے لگا، ذیشان نے گویا سنا ہی نہیں، وہ اپنے نوٹس میں مگن رہا اور عبدالصمد حسبِ عادت ہل ہل کر ہنسنے لگا:

''ٹھیک ہے ہوگے تم سائنس دان مگر یہ عظیم کا لفظ لگانے کی کیا ضرورت ہے۔'' ذیشان نے نوٹس سے سر اٹھائے بغیر کہا۔

''کیونکہ، میں ایک عظیم سائنس دان ہوں۔'' ابوبکر نے سنجیدگی سے کہا۔

''ابھی تک تو یہ تمہارا خیال تھا، اب اچانک تم ہو بھی گئے۔'' ولید نے آنکھیں پھیلا کر کہا۔

''یہ ٹھیک کہہ رہا ہے، کبھی کبھی بازاری چیزیں کھا کر مجھے بھی یوں محسوس ہوتا ہے، گویا میں ایک عظیم سیاست دان ہوں۔'' عبدالصمد نے مذاق اڑانے کے انداز میں کہا۔

''اور میں تو نادان ہوں، جو یہاں پیپر کی تیاری کرنے آیا ہوں۔'' ذیشان آنکھوں کی عینک ٹھیک کرتے ہوئے بولا۔

''اور میں کیا کوڑا دان ہوں یا کوئی اور ''دان'' بچا ہے۔'' ولید پٹپٹا کر بولا تو سب کے قہقہے چھوٹ گئے۔

لیکن ابوبکر کی تعلیم کے دنوں میں کہی ہوئی یہ بات درست ثابت ہوگئی اور وہ واقعی سائنس دان بن گیا۔ ایسے میں ایک روز عبدالصمد، اس کے بچپن کے دوست نے اس سے خفیہ طور پر ملاقات کی، لیکن اب وہ ملک کا وزیرِ داخلہ تھا۔

O

وزیرِ داخلہ کی بات سن کر ابوبکر کو اپنے کانوں پہ یقین ہی نہیں آیا۔ سارے خواب دھڑام سے زمین بوس ہونے لگے۔ پہلے تو وہ سمجھا، شاید کوئی مذاق کیا جا رہا ہے اور اس نے کہہ بھی دیا:

''عبدالصمد تم شاید مذاق کر کے مجھے پریشان کرنا چاہتے ہو۔''

عبدالصمد کا چہرہ سپاٹ رہا، اس نے کہا، تم مجھے سر کہہ کر مخاطب کرو، نام لے کر نہ پکارو۔ کسی کو شک نہیں ہونا چاہیے کہ میں اور تم بچپن میں قریبی دوست رہے ہیں اور تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ تم آج یا کل اپنی پوری فیملی سمیت ملک سے باہر چلے جاؤ۔ میں تمہیں خفیہ طور پر بھجوانے کا انتظام کرتا ہوں اور یاد رکھو، یہ میں اپنے لیے بہت بڑا خطرہ مول لے رہا ہوں، صرف تمہاری خاطر۔'' پینتالیس سالہ عبدالصمد نے یہ کہتے ہوئے سر پر ہاتھ پھیرا جہاں اب چند ہی بال رہ گئے تھے۔

''تم نہیں جانتے، عبدالصدا م! میرا مطلب ہے سر! آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ پلاٹینم ایک قیمتی ترین دھات ہے، اس کی دریافت میرا بہت عظیم کارنامہ ہے۔''

''میں سب جانتا ہوں۔'' عبدالصمد نے اس کی بات کاٹ دی۔ وہ اپنے قیمتی ترین کوٹ پتلون میں پھنسا بیٹھا تھا۔

''بات یہ ہے کہ تم نے کمال ہوشیاری سے کام لیا، اپنے منصوبے کو خفیہ رکھا، تحقیق کے میدان میں تم ایک ماہر جیالوجسٹ کے نام سے پہچانے جاتے تھے، مگر جیسے ہی تمہارے اندر دینی انقلاب آیا تم نے یہ ڈاڑھی وغیرہ رکھ لی، تب سے تمہاری ایک ایک حرکت کو نوٹ کیا جاتا رہا ہے۔ مجھے کل اتفاق سے علم ہوا کہ اوپر والے تمہارے ساتھ کیا کرنا چاہتے ہیں، تمہارا دل تحقیق کی طرف آ کر اپنی دھرتی، اپنے لوگوں کی محبت سے بھر گیا ہوگا، مگر لوگ تم سے خوف زدہ ہو گئے ہیں۔ وہ تمہیں بدنام کریں گے اور کسی کام کا نہیں چھوڑیں گے، معدنیات کے ذخائر جو تم نے دریافت کیے ہیں اور انھیں نکالنے کا کم خرچ، قابلِ عمل منصوبہ جو شاید کچھ دنوں تک حکومت کے سامنے لانے والے تھے، اپنے ساتھ لپیٹ کر جاؤ۔'' عبدالصمد نے گہری نظروں سے ابوبکر کی طرف دیکھا، جس کے چہرے پر دکھ، حیرانی، چپک کر رہ گئے تھے۔

O

ابوبکر کی امیدوں کا محل ٹوٹ کر بکھر رہا تھا، وہ اسے بچانا چاہتا تھا، اسے امید تھی، حکومتی سطح پر اسے ہاتھوں ہاتھ لیا جائے گا، آخر اس منصوبے سے ملک کی تقدیر بدلنے والی تھی، اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، کس کس چیز کا غم کرے، اپنے دوست کے رویے کا، اپنی محنت کے ضائع ہو جانے کا یا کس کس چیز کا۔

''وہ تم پر کوئی بھی الزام لگا کر تمہیں سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیں گے، غائب کر دیں گے یا جان سے مار دیں گے۔ ہم تمہارے منصوبے پر عمل نہیں کر سکتے، کیونکہ کچھ لوگ ہمیں اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں دیکھ سکتے۔ جس علاقے میں تم کام کرنا چاہتے ہو، وہ لوگ بدترین نسلی تعصب کا شکار ہیں اور۔'' عبدالصمد بے دردی سے تمام حقائق بیان کر رہا تھا۔

''اور ذہین لوگوں کو مسلم دنیا کے لیے کچھ بھی کرنے نہیں دیا جائے گا۔'' اطمینان سے جوس کا گلاس پیتے ہوئے عبدالصمد نے کہا۔ ''تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو، اس ملک کو ترقی یافتہ دیکھنا تمہارا۔ میرا مطلب ہے آپ کا خواب تھا، تم کئی باتیں کیا کرتے تھے، تم موت سے خوف زدہ ہو، موت تو۔''

''نہیں میرے دوست نہیں۔'' عبدالصمد نے ابوبکر کی بات کاٹ کر کہا۔

''یہ سب جذباتی باتیں ہیں۔ اپنی خوشی سے جان دینا آسان کام نہیں، اس صورت میں جب یقین کمزور ہو چکا ہو، ہم میں سے کوئی آگے بڑھ کر قربانی دینا پسند نہیں کرے گا۔ تم اگر جان دینا بھی چاہو تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، میں نتائج تمہیں بتا چکا ہوں۔ بہتر ہے تم دنیا کے کسی گوشے میں خاموشی سے بیٹھ جاؤ، اور اچھے وقت کا انتظار کرو، اپنا علم کسی اور اہلیت والے نوجوان کے سپرد کر دو، دعا کرو، وقت بدل جائے۔''

انتہائی دکھ سے ابوبکر نے عبدالصمد کو دیکھا، وہ بچپن میں اسے کھانے پینے والا بے وقوف بچہ سمجھتا تھا۔ وہ آج بھی ایسا تھا، مگر مسئلہ یہ تھا، یہاں سب ایسے تھے۔

ابوبکر کو رخصت کرتے ہوئے عبدالصمد بہت گرم جوشی سے اس سے ملا۔ اس نے کہا:

''میں نے تمہارے لیے بساط سے بڑھ کر کوشش کی ہے، اس بات چیت کو بھی خفیہ رکھا گیا ہے۔ یہ سب میں نے بچپن کی دوستی کی خاطر کیا ہے۔ تم بھی میری ہدایت کے لیے دعا کرنا۔''

آج ابوبکر دنیا کے کسی گوشے میں گمنامی کی زندگی بسر کر رہا ہے، وہ دعا کرتا ہے، اللہ مسلم دنیا کو ایسے حکمران دے جو اس کی حفاظت کے لیے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں۔''

گھڑی کی واپسی

امینہ بتول۔ ملتان

صبح موصول ہونے والے اس خط نے مجھ پہ گھڑوں پانی ڈال دیا۔ مجھے چھ ماہ قبل کی وہ شام یاد آ گئی۔ میں نے میز کی دراز سے ایک گھڑی نکالی اور اسے علیحدہ لفافے میں بند کر کے ایک طرف رکھ دیا۔ خط میں لکھا تھا:

''محترم، وعدہ کے مطابق آپ کو سو روپے بھجوا رہا ہوں۔ تاخیر کے لیے معذرت۔ دراصل اس شام کسی مجبوری کی وجہ سے میں دوبارہ نہ آ سکا مگر آپ کی دکان کا پتا مجھے معلوم تھا۔ براہِ مہربانی میری گھڑی بھی میرے پتے پہ بھجوا دیں۔ یہ میرے پاس ایک یادگار نشانی ہے۔ پتا نیچے ہے اور ڈاک کا خرچ اسی لفافے میں الگ موجود ہے۔ شکریہ!''

O

چھ ماہ قبل ایک شام ایک نوجوان میری دکان میں آیا اور آتے ہی التجا آمیز لہجے میں بولا:

''جناب! ایک بے حد اہم فون کرنا ہے۔ میرا موبائل اور بٹوہ دونوں چوری ہو چکے ہیں اور میں اس شہر میں نووارد ہوں۔ میں اپنے رشتے دار کو کال کرنا چاہتا ہوں۔'' گھڑیوں کی دکان میں ایک طرف میں نے پی سی او کا کیبن بھی بنا رکھا تھا۔

لوکل کال ہے یا؟ میں نے اس کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔ ''لوکل ہے۔''

فون ملانے کے بعد وہ دس پندرہ منٹ بات کرتا رہا۔

''آپ کے سو روپے ہو گئے۔'' میں نے بل اسے تھمایا۔

''سو روپے؟'' وہ حیران ہوا۔

''جی ہاں! یہاں لینڈ لائن سے جس نیٹ ورک پہ آپ نے بات کی ہے، وہ بہت مہنگا ہے۔ کال انھی ریٹس پہ چارج ہوتی ہے۔'' میں نے ذرا ناگواری سے کہا۔

''اچھا! اچھا! وہ بات دراصل یہ ہے، میں نے آپ کو بتایا نا کہ میرا بٹوہ چوری ہو چکا ہے، فی الحال میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ اگر آپ۔''

''یہ کیا بات ہوئی بھلا؟ یہ خدا واسطے کا پی سی او تھوڑی ہے۔ بل تو ادا کرنا ہوگا بھائی۔'' میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے سختی سے کہا۔

''میں نے بل نہ دینے کی بات نہیں کی۔ میں صرف یہ درخواست کر رہا تھا کہ اگر آپ مجھ پہ اعتبار کریں تو میں آدھ گھنٹے میں آپ کو پیسے دینے آ جاؤں گا۔ میری ایک رشتے دار سے بات ہو چکی ہے۔ وہ مجھے رقم دینے کو تیار ہے مگر اس وقت وہ اپنی ملازمت پر ہے اور رقم لینے کے لیے مجھے ہی جانا پڑے گا۔ اس کے علاوہ میں یہاں کسی کو نہیں جانتا۔'' اس نے نرم لہجے میں پوری بات بتائی۔

''واہ بھئی! اب سارے یہ کہانیاں گھڑ لیں تو ہو گیا ہمارا دھندہ۔'' مجھے غصہ آنے لگا۔

''جناب آپ کی بات درست ہے مگر یقین کیجیے میں کوئی چور اچکا نہیں ہوں۔ آپ کی رقم ضرور لوٹاؤں گا۔''

''میں اتنا کر سکتا ہوں کہ آپ اپنی کوئی چیز میرے پاس رکھ دیں۔''

''اس وقت تو میرے پاس کچھ نہیں۔ میں عرض کر چکا ہوں۔'' اس نے پریشانی سے کہا۔ وہ عام سے کپڑوں میں ملبوس تھا، البتہ کلائی پہ بندھی گھڑی میں دیکھ چکا تھا اور میرا اشارہ اسی طرف تھا۔

''کیوں، یہ گھڑی کیا آپ کی نہیں ہے؟ آپ اسے بیچ کر بھی تو اپنی ضرورت پوری کر سکتے ہو۔'' میں نے کریدنے والے تفتیشی انداز میں پوچھا۔

''یہ گھڑی؟'' وہ کچھ بجھ سا گیا۔

''یہ گھڑی بے حد قیمتی ہے اور اس سے بھی بڑھ کر میرے والد کی نشانی ہے۔ میں اسے بیچنا نہیں چاہتا اور نہ ہی کھونا چاہتا ہوں، اسی لیے میں نے دوسرا حل آزمانے کی کوشش کی مگر خیر! آپ بھی درست کہہ رہے ہیں۔ آج کے دور میں کسی پہ اعتبار کرنا بے وقوفی ہی ہے۔ آپ یہ گھڑی رکھ لیں۔ میں ان شاء اللہ ہر صورت آپ کا بل ادا کروں گا۔ یہ مجھ پہ واجب ہے۔'' اس نے نہایت افسردگی سے اپنی کلائی سے گھڑی اتاری اور کاؤنٹر پہ رکھ کر چلا گیا۔ میں مطمئن ہو گیا۔ گھڑی بے حد قیمتی اور پرانی تھی۔ نایاب ہونے کی وجہ سے اس کی موجودہ قیمت سات آٹھ ہزار سے کم نہیں تھی۔ ایسی گھڑی میری دکان میں کہیں بھی نہیں تھی۔ میں نے الٹ پلٹ کر اسے دیکھا اور دل ہی دل میں منصوبے بنانے لگا کہ نوجوان اگر رقم دینے واپس آیا تو کسی طرح اس سے خرید لوں گا، اگر وہ آمادہ نہ ہوا تو میں صاف مکر جاؤں گا کہ میرے پاس کچھ گروی نہیں ہے۔ اصل بے وقوفی اس نے کی تھی۔ مجھ سے رسید لینا بھول گیا تھا۔ اصولی طور پر مجھے سو روپے کے برابر یا قریب ہی کوئی چیز رکھنی چاہیے تھی مگر اس وقت میں نے ضمیر کی آواز نہیں سنی تھی۔ اس روز میں چند گھنٹے دکان بند ہونے کے بعد بھی انتظار کرتا رہا مگر وہ نوجوان نہ آیا۔ اگلے دن بھی یہی ہوا اور مسلسل ایک مہینا وہ نہیں آیا تو میں نے پورے حق کے ساتھ وہ گھڑی اپنی ملکیت بنالی۔ میں چاہتا بھی یہی تھا کہ وہ نہ آئے۔ مراد جو بر آئی تھی۔ بظاہر میں نے خود کو مطمئن بھی کر لیا۔ سو روپے میں اتنی قیمتی گھڑی میرا تو کچھ نقصان نہیں ہوا تھا۔

آج چھ مہینے بعد اس خط نے مجھے اپنی ہی نظروں میں گرا دیا۔ لالچ نے میری دیانت داری سلب کر لی تھی اور اب میں کفارہ ادا کر کے اپنی خطا کو مٹانا چاہتا تھا۔ صد شکر کہ گھڑی جوں کی توں دراز میں موجود تھی اور میں نے اسے کسی کو بیچا نہیں تھا۔ اللہ بندے کو توبہ کے موقعے ضرور دیتا ہے، اگر وہ کرنا چاہے تو!

میں نے معذرت کا ایک خط لکھا اور گھڑی سمیت ایک لفافے میں ڈال کر اس پتے پر بھیج دیا جو مجھے ملنے والے اس خط میں درج تھا۔ وہ واقعی کسی دوسرے شہر میں رہتا تھا۔ اس کا بھیجا ڈاک خرچ بھی میں نے استعمال نہیں کیا، البتہ ان سو روپوں کو کسی قیمتی متاع کی طرح سنبھال کر رکھ لیا تھا۔

لاہور میں دفن نامور شخصیات

میانی قبرستان لاہور:

(1) پروفیسر یوسف چشتی (شارح کلام اقبال)۔(2) محمد بوٹا (نامور پہلوان)۔(3) سعادت حسن منٹو (افسانہ نگار)۔(4) آغا حشر کاشمیری (ادیب)۔(5) مولانا احمد علی لاہوری صاحب (مفسر قرآن)۔(6) مولانا عبیداللہ انور (جانشین حضرت لاہوری)۔(7) مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی (شیخ الحدیث التفسیر جامعہ اشرفیہ لاہور)۔(8) حکیم معین الدین چغتائی (نامور طبیب)۔(9) سر شیخ عبدالقادر (مدیر ''مخزن، دیباچہ بانگ درا کے محرر)۔(10) احسان دانش (مزدور شاعر)۔(11) الماس رقم (فن خطاطی کا امام)۔(12) تاج عرفانی (طبیب وشاعر)۔(13) قیوم نظر (شاعر وادیب)۔(14) مراد رقم (خطاط)۔(15) ایم سلیم (مشہور افسانہ نگار وناول نگار)۔(16) اقبال ساجد (شاعر)۔(17) حکیم دوست محمد صابر ملتانی (مجدد طب، حکیم حاذق)۔(18) اثر صہبائی (شاعر)۔(19) عبدالرحمٰن چغتائی (نامور مصور)۔(20) مولانا داؤد غزنوی (بزرگ عالم دین وسیاست دان)۔(21) ایس اے حمید (ڈائریکٹر ریڈیو پاکستان)۔(22) بیدل بخوری (داغ کا شاگرد)۔(23) اختر شیرانی (مشہور شاعر)۔(24) صوفی غلام مصطفیٰ تبسم (شاعر وادیب)۔(25) محمد زکی کیفی (عالم وشاعر، مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب کے فرزند اکبر)۔(26) منشی عبدالمجید پروین رقم (نامور خطاط وکاتب کلام اقبال)۔(27) چراغ حسن حسرت (نامور صحافی ومزاح نویس)۔(28) حمید نظامی (روزنامہ ''نوائے وقت'' کے مدیر شہیر)۔(29) لاڈلی بیگم (دختر داغ وزوجہ مسائل دہلوی)۔(30) منشی محمد شریف (خطاط وکاتب قرآن)۔(31) ساغر صدیقی (درویش شاعر)۔(32) چوہدری افضل حق (مجلس احرار اسلام کے رئیس)۔(33) ابوسعید انور (مشہور مسلم لیگی رہنما اور سیاست دان)۔(34) مولانا سید حامد میاں (عظیم مصنف ومؤرخ)۔(35) غازی علم دین شہید (عاشق رسول)۔(36) شورش کاشمیری (صحافی، شاعر، ادیب، مقرر)۔(37) مولانا سید نفیس شاہ الحسینی (صوفی باصفا، شاعر وممتاز خطاط)۔

محمد اسعد مدنی۔نوشہرہ

قبرستان ماڈل ٹاؤن لاہور:

(1) عاشق حسین بٹالوی (افسانہ نگار ومصنف)۔(2) فیض احمد فیض (عظیم شاعر)۔(3) ڈاکٹر ایس ایم اختر (مشہور ماہر اقتصادیات)

قبرستان میانمبر، لاہور:

(1) اکبر لاہوری (شاعر ومقرر)۔(2) شوکت تھانوی (نامور مزاح نگار)۔(3) شوکت خانم (مشہور کرکٹر عمران خان کی والدہ۔ شوکت خانم میموریل ہسپتال ان ہی کے نام سے ملقب ہے)

مومن پورہ قبرستان، لاہور:

(1) سید عابد علی عابد (شاعر و ماہر تعلیم)۔(2) ناصر کاظمی (نامور شاعر)

قبرستان شہدا، لاہور:

(1) جنرل عبدالحمید خان (سابق چیف آف آرمی سٹاف)۔(2) جنرل سرفراز خان (1965ء کی پاک بھارت جنگ کے ہیرو۔ ''محافظ لاہور'' کے لقب سے ملقب)

قبرستان میں شادمان کالونی، لاہور:

(1) مولانا محمد ادریس کاندھلوی (محدث و مفسر، استاد دارالعلوم دیوبند، بلند پایہ کتابوں کے مصنف)۔(2) مولانا محمد مالک کاندھلوی (شیخ الحدیث، مولانا ادریس کاندھلوی کے جانشین)

درگاہ حضرت سید علی ہجویری، لاہور:

(1) حضرت سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش (عظیم صوفی و بزرگ، قدوۃ السالکین و زبدۃ العارفین)۔(2) مولوی فیروز الدین (مشہور ادارہ ''فیروز سنز'' کے بانی اور ''فیروز اللغات'' کے مرتب)

قبرستان پیر مکی۔لاہور:

(1) گاماں پہلوان (بے مثال پہلوان ''رستم زماں'' کے لقب سے ملقب)۔(2) امام بخش پہلوان (گاماں کا برادر اصغر ''رستم ہند'' کا خطاب ملا) اس قبرستان میں اس خاندان کے اور بھی نامور پہلوان دفن ہیں۔

کربلا گامے شاہ۔لاہور:

(1) محمد حسین آزاد (عظیم انشا پرداز، شمس العلماء کا لقب ملا)

متفرق قبور، لاہور (وہ قبور جو مسجدوں، امام باڑوں اور گلی کوچوں میں ہیں)

(1) غلام رسول مہر (مشہور صحافی، ادیب، مؤرخ اور شاعر)۔(2) عبدالمجید سالک (نامور مصنف ومزاح نگار)۔(3) علامہ ڈاکٹر محمد اقبال (حکیم الامت، عظیم شاعر، مصور پاکستان)۔(4) ابو الاثر حفیظ جالندھری (مشہور شاعر، خالق ترانۂ پاکستان)۔(5) مولانا سید محمد اسماعیل (محدث و مفسر، برصغیر پاک وہند میں درس قرآن وحدیث کا سب سے پہلے اجرا کرنے والے)۔(6) مولانا محمد حنیف ندوی (مشہور عالم دین، فلسفی، کتب کثیر کے مصنف)۔(7) استاد دامن (پنجابی زبان کے پرگو شاعر)۔(8) ملکہ نور جہاں (مغل بادشاہ جہانگیر کی محبوب بیوی)۔(9) سلطان قطب الدین ایبک (برصغیر پاک وہند میں مسلم حکومت کے بانی)۔(10) عبدالحمید عدم (معروف غزل گو شاعر)

یہ 2000ء تک کی تفصیل ہے۔

☆☆☆

سیرت النبی ﷺ

کے موضوع ایم آئی ایس فاؤنڈیشن کی دو منفرد کتابیں

1 سیرت کوئز

2 سیرت النبی ﷺ قدم بقدم (دو جلدیں)

(رعایتی قیمت پر حاصل کریں)

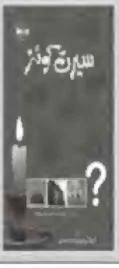

MIS FOUNDATION

کل قیمت 1060 روپے

رعایتی قیمت 650 روپے

ملتان	0300-7301239	فیصل آباد	0321-7693142
راولپنڈی	0321-5123698	ساہیوال	0321-6950003
پشاور	0314-9696344	کوئٹہ	0321-8045069
بہاولپور	0333-6367755	رحیم یار خان	0321-2647131
اٹک	0302-5475447	ہری پور	0301-8145854
لاہور	0321-4538727	سرگودھا	0321-6018171

523 C Adamjee Nagar, Old Dohraji, Karachi, Pakistan
Ph: +92-21-34931044 , 34944448 , Cell: +92-321-2220104

نیوز چینل

محمد شاہد فاروق۔ ایم اے ایم ایڈ۔ پھالور

کافی عرصے سے بند دماغی انجن کو نیوز چینل لکھنے کے لیے سٹارٹ کیا مگر کسی پرامن موٹر سائیکل کی طرح اس نے پہلی یا دوسری کک پر سٹارٹ ہونے سے انکار کر دیا۔ دماغی انجن کے سٹارٹ نہ ہونے پر ہمارے ہاتھ پیر پھولنا شروع ہوگئے۔ اس سے پہلے کہ ہمارے پیر پھول کر دماغی چادر سے باہر ہوجاتے، ہم نے فوری طور پر دماغی چادر دیکھنے کا فیصلہ کیا جس کے بعد ہم نے ارادہ کیا کہ اس بار ایک صفحے پر پاؤں پھیلائیں گے۔ اس کے بعد ہم نے نیوز چینل کے لیے مخصوص دماغی سرکٹ بحال کیا اور اب آپ کی خدمت میں حاضر ہیں اور سلام عرض کرتے ہیں۔

ابھی ابھی اطلاع ملی ہے کہ محمد اقبال آف ماڈل ٹاؤن کراچی دبلے ہونے لگے ہیں۔ تفصیلات کے مطابق اقبال صاحب کو یہ خیال دیمک کی طرح کھائے جارہا ہے کہ حافظ عبدالجبار جیسے لوگ مدیر صاحب کو کب معاف کریں گے۔ اس بیان پر غیر حاضر دماغ نمایندے اور انکل سوچ دین میں شدید جھڑپ شروع ہوگئی ہے، جو آخری خبریں آنے تک جاری ہے۔ غیر حاضر دماغ نمایندے کا کہنا ہے کہ جب تک اثر جون پوری صاحب کی طرف سے ''آم معافی'' کا اعلان نہیں ہوجاتا، اس وقت تک مدیر صاحب کو معافی نہیں مل سکتی، کیونکہ حافظ صاحب کو مدیر صاحب آم کی طرح پیارے ہیں۔ اس لیے وہ ان کے کھٹے میٹھے گن گاتے رہتے ہیں۔ دوسری طرف انکل سوچ دین کا خیال ہے کہ اقبال صاحب سکول کے استاد کی طرح اپنے پیریڈ کے انتظار میں ہیں کہ کب حافظ صاحب اپنا ختم کر دیں تو وہ اپنا پیریڈ شروع کریں۔ گویا اقبال صاحب ابھی تک موقعے کی تلاش میں ہیں مگر ان کی دال گلتی نظر نہیں آتی۔

تازہ ترین اطلاعات کے مطابق محمد حماد ذیشان علی مگرمچھ بن گئے ہیں اور اس وقت مطالعے کے سمندر سے باہر آکر اپنا کھایا پیا ہضم کرنے کے چکر میں ہیں اور تحریری پلٹے کھا رہے ہیں۔ غیر حاضر دماغ نمایندے نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ حماد صاحب کو علمی مچھلی بننا چاہیے تھا۔ ان کی زندگی مطالعے کے سمندر میں ہی گزرتی اور ادبی سمندر سے باہر آتے ہی ماہی بے الفاظ بن کر تڑپنا شروع کر دیتے۔ رہی مگرمچھ بننے کی بات تو یہاں پہلے ہی بڑے بڑے ادبی مگرمچھ موجود ہیں اور یہ مگرمچھ ہوتے ہوئے بھی کسی مگرمچھ سے دشمنی نہیں رکھ سکتے، کیونکہ انھیں ادبی دریا میں رہنا ہے۔

ہمارے غیر حاضر دماغ نمایندے کی خصوصی رپورٹ کے مطابق محمد ابراہیم قاسمی صاحب نے مفتی جمیل الرحمٰن عباسی صاحب پر کنجوسی کا الزام عاید کر دیا ہے۔ تفصیلات کے مطابق قاسمی صاحب نے کہا ہے کہ مفتی صاحب بچوں کا اسلام میں لکھنے میں کنجوسی سے کام لیتے ہیں۔ ان کے اس بیان کو زبانِ خلق سمجھتے ہوئے غیر حاضر دماغ نمایندے نے ازخود نوٹس لینے کے لیے پَر تولنا شروع کر دیے مگر قاسمی صاحب نے یہ کہہ کر کہ مفتی صاحب لکھنے کے بادشاہ ہیں غیر حاضر دماغ نمایندے کے غبارے سے ہوا نکال دی۔

کھیل:۔ ہمارے کھیلوں کے نمایندے کی من گھڑت رپورٹ کے مطابق واپڈا کی دیکھا دیکھی محکمہ گیس والوں نے بھی عوام کے خلاف ٹی۔ ٹوئنٹی میچ کھیلنے کا اعلان کر دیا ہے۔ یاد رہے کہ وزارت پٹرولیم عوام کے چھکے چھڑانے کے لیے پہلے ہی میدان میں اتر چکی ہے۔ اس طرح اب عوام کو مختلف ٹیموں کے خلاف بیک وقت میدان میں اترنا ہوگا۔ اس طرح خدشہ پیدا ہوگیا ہے کہ عوام اس سخت شیڈول سے تنگ آکر میدان سے واک آؤٹ نہ کر جائیں۔ تاہم اگر عوام نے یہ مقابلہ ثابت قدمی سے لڑا تو آنے والی سیریز عوام کے لیے نسبتاً آسان ہوسکتی ہے۔

اس کے ساتھ ہی نیوز چینل ختم ہوا۔ اجازت دیجیے۔ اللہ حافظ!

مسکراہٹ کے پھول

☆ استاد: مختصر بات کرنا عقل مندی ہے۔ سلیم بتاؤ تمہارے والد کا کیا نام ہے؟
سلیم: سی این جی۔ (C.N.G)
استاد: یہ کیا نام ہوا؟
سلیم: چوہدری نعیم گجر۔

☆ استاد: ایک عورت ایک گھنٹے میں 80 روٹیاں پکاتی ہے، بتاؤ تین عورتیں کتنی پکائیں گی۔
شاگرد: جی ایک بھی نہیں۔
استاد: کیا مطلب؟
شاگرد: ان کی باتیں ختم ہوں گی تو روٹی پکائیں گی نا۔

☆ مسجد کے دروازے پر ایک آدمی جلے بھنے انداز میں کہہ رہا تھا:
''یار شادی کے موقعے پر جوتا چھپائی کی رسم سالیاں ادا کرتی ہیں، لیکن جمعے کے دن مسجد میں یہ رسم نہ جانے کون سالے ادا کرتے ہیں۔ (مسز محمد اکرم۔ ہرنولی)

☆ ایک شخص: بیوی، بیگم اور وائف میں کیا فرق ہے۔
شاگرد: کوئی فرق نہیں! یہ بھی انڈیا، بھارت اور ہندوستان کی طرح ایک ہی دشمن کے تین نام ہیں۔

☆ استاد: آم الف سے آتا ہے یا آ سے؟
شاگرد: سر! آم نہ الف سے آتا ہے نہ آ سے، بلکہ پیسوں سے آتا ہے۔
(حافظ محمد دانش عارفین حیرت۔ لاہور)

☆ وکیل: تم مجھے اپنا وکیل مقرر کرنا چاہتے ہو، لیکن یہ بتاؤ! فیس کتنی دو گے؟
دیہاتی: میرے پاس ایک خچر، چند مرغیاں اور دو بھیڑیں ہیں، وہ آپ کی نذر کر دوں گا۔
وکیل: چلو کافی ہیں۔ اب یہ بتاؤ! تم پر کن چیزوں کی چوری کا الزام ہے۔
دیہاتی: ایک خچر، چند مرغیوں اور دو بھیڑوں کا۔ (خنساء محمود۔ گوجرانوالہ)

انداز نرالے دیکھے

ف بنت چوہدری محمد اظہر حسن سندھو۔ گجرات

پانچ سال کی عمر میں ہم نے پہلی بار سکول میں قدم رنجہ فرمائے اور جاتے ہی اپنی بڑی بہن کے ساتھ چپک کر بیٹھ گئے۔ لیکن تھوڑی دیر ہی بیٹھے ہوں گے کہ مس نسرین کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ مس نے آتے ہی فرمایا، اپنا بیگ لے آؤ۔ ہم نے اپنا تھیلہ نما بیگ اٹھایا اور مس کے پیچھے پیچھے چل دیے۔ صحن میں لگی ہوئی جماعتوں میں سے مس ہمیں بھی ایک جماعت کی طرف لے گئیں۔ وہاں داخلہ ہو رہا تھا۔ ہمارا نام بھی رجسٹر میں درج کر لیا گیا، نہ کوئی داخلہ فیس اور نہ ہی کوئی اور جھنجھٹ۔ یہاں یہ بھی بتا دوں کہ مس نسرین ابو جی کے ایک دوست کی بیوی تھیں۔ ابو جی نے فون کر کے ان سے کہہ دیا تھا کہ بچی کا داخلہ کروا دیجیے گا۔ لہٰذا ہمارا داخلہ ہو گیا اور رفتہ رفتہ ہم نے اپنی پڑھائی کی منازل طے کرنا شروع کر دیں۔ دوسری جماعت تک ہم نے اسی سکول میں تعلیم حاصل کی۔ جہاں ہمارے لیے کلاس روم کے طور پر سکول کا وسیع و عریض صحن ہوتا اور بنچوں کے طور پر ہمارے گھروں سے لائے ہوئے توڑے اور جب کبھی بارش کا موسم ہوتا، کلاس روم نہ ہونے کی وجہ سے ہمیں بارش شروع ہونے کے ساتھ ہی چھٹی دے دی جاتی۔ اس وقت سب بچوں کی خوشی دیدنی ہوتی۔ ہم انھی توڑوں کی ٹھی نما چھتریاں بناتے اور اپنے سروں پر چڑھا کر اپنے اپنے گھروں کی طرف دوڑ لگا دیتے اور گھر پہنچتے ہی اپنی امی جان سے بارش کے مخصوص پکوان بنانے کی فرمائشیں شروع کر دیتے۔ اسی طرح ہنسی خوشی دن گزرتے گئے اور ہم تیسری جماعت میں پہنچ گئے۔ تب تک سڑک کی دوسری طرف والی زیر تعمیر اسکول کی تعمیر مکمل ہو گئی اور ہمیں یعنی پرائمری حصے کو وہاں منتقل کر دیا گیا۔ ہم بہت خوش تھے کہ اب ہم بھی صاف ستھرے کلاس روم میں بنچ پر بیٹھا کریں گے۔ امی جان الگ خوش تھیں، کیونکہ اب ہمارا یونیفارم قدرے صاف رہتا تھا، لیکن ہمیں وہ دن بہت مشکل لگا جو نئے اسکول میں پہلی بارش کا دن تھا، نہ تو ہمیں چھٹی ہوئی اور نہ ہی ہم گھر جا کر پکوان بنا سکے۔

صبح اسکول جانا بارہ بجے تک پڑھنا اور بارہ بجے تفریح دو ہم اس تفریح میں گھروں تک سے ہو آتے اور تفریح کے بعد سب بچوں کا کورس میں پہاڑے یاد کرنا اور گھروں کو لوٹ جانا۔ اسی طرح پتا بھی نہ چلا کہ ہم کب پانچویں جماعت میں پہنچے اور کلاس کے مانیٹر بن گئے۔ تمام اسکول کا کنٹرول ہمارے ہاتھ میں تھا (اپنے خیال سے) لہٰذا خوب مزے سے چھوٹی کلاسز پہ رعب جماتے اور چھٹی کے اوقات میں ان کے چھوٹے چھوٹے جھگڑے نمٹاتے۔ پھر ہمیں الوداعی پارٹی دے کر اس اسکول سے رخصت کر دیا گیا۔

اب ہم اپنے پہلے والے اسکول میں دوبارہ تشریف لائے، لیکن اب صحن کے بجائے ہمیں ایک کلاس روم میں بیٹھنا تھا، کیونکہ ہم چھٹی جماعت میں تھے اور مڈل اور ہائی حصہ اس اسکول میں تھا۔ یہاں بھی ہمیں بہت شفیق استاد ملے، لیکن یہاں ایک نئی بات یہ بھی تھی کہ یہاں ہمیں ایک ایک مضمون ہر استاد پڑھاتا تھا۔ اس طرح نئے نئے چہروں کی دید ہوتی رہتی۔ پرائمری حصے میں ایک بات بہت بورنگ تھی۔ وہ یہ کہ ایک ہی استاد صبح سر پر سوار ہوتا اور ایک بجے جا چھٹی ہوتی۔ بہرحال چھٹی جماعت میں پہنچ کر ہمارا ایک داخلہ ٹیسٹ ہوا۔ جس میں ہم فیل ہو گئے، کیونکہ ہم بے فکر تھے کہ اب پرائمری کی ان کتب سے جان چھوٹ گئی ہے۔ اس لیے ہم نے سب کچھ بھلا دیا۔ اس کی قدر اس وقت آئی جب ہمیں فیل کا خطاب ملا۔ ہم بہت پریشان ہوئے کہ اب کیا ہوگا۔ مس سے پوچھا مس جی! اب پاس ہونے کے لیے کیا کرنا پڑے گا؟ بڑا عجیب جواب ملا۔ جی اپنے گھر سے کسی کو لے کر آؤ۔

تھوڑی دیر سوچنے کے بعد ہمارے زرخیز ذہن نے ایک حل پیش کر ہی دیا کہ امی جی کی ایک دوست اس محلے میں رہتی ہیں، ان کو لے آتی ہوں۔ آنٹی صبح صبح ہمیں اپنے گھر میں دیکھ کر خوش بھی ہوئیں اور حیران بھی کہ اتنی صبح ہماری امی جان کو کیا کام پڑ گیا ہے جو یہ پیغامبر بھیج دیا، لیکن ساتھ ہی جب ہمارے یونیفارم کی طرف نظر گئی تو سمجھ گئیں کہ امی جی کو نہیں بیٹی جی کو کام ہے، لہٰذا سوالیہ نظروں سے ہماری طرف دیکھنے لگیں۔ ہم نے ان کی نظروں کا سوال پڑھ کر انہیں کو اپنے آنے کی وجہ بتائی۔ پہلے تو انھیں تعجب ہوا کہ ہمارے جیسی قابل بچی فیل کیسے ہوئی؟ بہرحال اسی میں بہتری ہوئی کہ انھوں نے مزید کوئی سوال نہ کیا اور ہمارے ساتھ چل پڑیں۔ اسکول پہنچ کر انھوں نے مس کے ساتھ علیک سلیک کے بعد تھوڑی دیر گپ شپ لگائی اور جاتے ہوئے ہمیں دل لگا کر پڑھائی کرنے کی تلقین کر کے چلی گئیں۔

ہم نے بھی شکر کیا تھا کہ یہ آفت ٹلی ہے۔ لہٰذا بڑے زور و شور سے وعدہ کیا کہ آیندہ کبھی ایسا موقع نہیں آئے گا، لیکن یہ وعدہ ایک سال تک ہی چلا اور اگلے سال یعنی ساتویں میں ہم پھر فیل ہونے کے قریب تھے کہ ہمیں ایک اور چالاکی سوجھی۔ ہم نے بیماری کا بہانہ شروع کر دیا۔ امی جان پہلے ہی ہماری کمزور ہوتی صحت سے پریشان تھیں، ہمیں اسکول سے ہی اٹھا لیا گیا۔ ہم نے بھی سکھ کا سانس لیا کہ اب مزے سے صبح نو دس بجے تک سوئیں گے اور اپنی مرضی سے ناشتا کریں گے اور سارا دن عیش، لیکن یہ ہماری خام خیالی ہی تھی، کیونکہ ہمیں صبح ہی اٹھنا پڑتا کہ فلاں کو یونیفارم استری کر دو، تم تو پھر یہیں ہونا۔ فلاں کو ناشتا دے دو اور فلاں کو جوتا پالش کر دو۔ تم نے کون سا اسکول جانا ہے۔ مرتے کیا نہ کرتے۔ ہمیں یہ سب کرنا پڑتا۔ پھر جب سب اسکول و کالج چلے جاتے تو ہماری ناشتے کی باری آتی اور ہم ناشتے سے فارغ ہو کر جب گلی محلے کے راؤنڈ پہ نکلتے تو تب بھی مایوسی کا سامنا کرنا پڑتا، کیونکہ گلیاں سنسان ہوتیں، نہ کوئی بندہ نہ بندے دی ذات۔

سب بچے تو اپنے اپنے مکتب میں مزے سے پڑھ رہے ہوتے اور ہم مایوس ہو کر گھر واپس لوٹ آتے اور بچوں کے اسکول سے آنے کا انتظار کرتے۔ لیکن یہ ذلت ہمیں زیادہ دیر برداشت نہ ہوئی اور ہم نے خود ہی امی کی منت سماجت کی اور دوبارہ داخلہ لے لیا اور بڑی لگن کے ساتھ پڑھائی شروع کر دی، کیونکہ ہمیں پڑھائی کی بہت اچھی طرح سے قدر معلوم ہو چکی تھی اور اب ہم اسی پڑھائی کی احسان مندیوں سے ایک اسلامک یونیورسٹی میں لیکچرر ہیں۔ نئی نسل جو پڑھائی سے دور بھاگ رہی ہے، کے لیے ہمارا یہی پیغام ہے:

راہ علم میں کچھ اس طرح بڑھاؤ قدم
کہ لوگ کہیں یہ ذرے نہیں ستارے ہیں
فخر ہم بھی کہہ سکیں یہ دنیا سے
کہ یہ شاہکار کسی اور کے نہیں ہمارے ہیں

کھائیں ضرور

مریم بنتِ عزیز الرحمٰن۔ کراچی

ہم دنیا و مافیہا سے بے خبر ایک کتاب پڑھتے پڑھتے دستر خوان پر افطاری کا سامان سجا رہے تھے۔ اچانک ہمیں چار سال پہلے کی افطار پارٹی یاد آگئی۔ جی ہاں! افطار پارٹی! اُفوہ! آپ کے منہ میں پانی کیوں آگیا؟ ویسے آپ شکر کریں یہاں کے مکینوں کو پیسے دے کر پانی میسر نہیں اور آپ کے منہ میں تو خود بخود ''مفتا مفتم'' آ رہا ہے۔ چلیں ہم بتاتے ہیں کہ اس دن کی افطاری میں ایسی کیا خاص بات تھی جس کی وجہ سے ہماری (دو سال تک) درگت بنتی رہی۔ پڑھتے ہوئے ذہن میں رکھیے گا کہ جہاں ہماری دعوتِ افطاری تھی، وہ ہماری بہن کا سسرال تھا۔ ہم دونوں نے مل کر دستر خوان لگایا۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ ہمارے باقی گھر والے بھی پہنچ گئے۔ ہم تو اوپر نیچے کے چکر لگا لگا کر بری طرح تھک گئے تھے۔ اس لیے فوراً بیٹھ گئے۔ صحیح معنوں میں ہمیں روزہ، چلیں چھوڑیں! ویسے بھی وہ روزہ ہی کیا جو نہ لگے۔ اب سب دستر خوان پر بیٹھے تھے۔ اذان ہوئی۔ روزہ افطار کیا اور ہم نے کھانا شروع کیا۔ آنٹی (بہن کی ساس) تو آنٹی تھیں، کھانے کا کہتی رہیں۔ کبھی ہم انکار کر دیتے، کبھی پیٹوؤں کی طرح ٹھوسنے لگتے۔ اس وقت پتا نہیں کیا ہو گیا تھا کہ ہم کھائے ہی چلے جا رہے تھے۔

نماز پڑھ کر ہم پھر شروع ہو گئے۔ کھاتے رہے، کھاتے رہے۔ آخر ایسا وقت آیا کہ ہمارا پیٹ پھٹنے کے قریب ہو گیا۔ اسی ڈر سے ہم نے کھانے سے ہاتھ روک لیے مگر ہماری حالت ایسی ہو گئی تھی کہ کسی چیز کی طرف دیکھا بھی نہیں جا رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا ابھی سارا کھایا پیا الٹے قدموں باہر آجائے گا۔ ہم کہہ بھی رہے تھے کہ ''بھئی یہ دستر خوان اٹھوا دیں ہم سے اور نہیں دیکھا جا رہا'' مگر سب ہمیں سٹھیائی ہوئی سمجھ رہے تھے مگر اس وقت تین کو چار سے ضرب دینے پر جو بنتا ہے ناں وہ ہماری عمر شریف تھی۔ ایک منٹ بعد ہمیں یوں لگا جیسے بادل گرج رہے ہوں۔ وہ بادلوں کی گھن گرج صرف ہمیں ہی محسوس ہو رہی تھی، کیونکہ وہ ہمارے پیٹ میں گرج رہے تھے۔ اس کے ساتھ ہی ہم چھلانگیں مارتے ہوئے واش روم کی طرف گئے۔ مگر افسوس! اندر جانے کی سعی ناکام رہی اور واش روم کی دہلیز پر جہاں پہلے ہی نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ ہم نے اپنے مٹ جانے والے بلکہ بہہ جانے والے نقوش چھوڑے۔ خوب ''جی اور منہ'' کھول کر اپنے کنویں کو خالی کر کے ہم ایک طرف بیٹھ گئے۔

سب حیران و پریشان کہ اس اچھی بھلی اچھلتی کودتی لڑکی کو کیا ہو گیا۔ ہم نے کن انکھیوں سے آنٹی کی طرف دیکھا۔ آنٹی نے ہمیں کچھ کہا تو نہیں مگر ان کا چہرہ اتر گیا تھا۔ ظاہری بات ہے۔ فرض کریں! کوئی آپ کے گھر آئے اور الٹی سیدھی حرکات کرے تو آپ کیسا اور کیا محسوس کریں گے؟ پھر ہم نے تو صرف ایک الٹی ہی کی تھی۔ اس پہ یہ حال تھا، اگر الٹی سیدھی مکس حرکت کرتے تو معلوم نہیں کیا ہوتا تھا۔ اب ہم نے بس موقع دیکھ کر عبایا اوڑھا اور گھر فرار ہو گئے۔

اگلے دن اسی واقعے کو چھیڑ کر دستر خوان پر بیٹھ کر سب قہقہے لگا رہے تھے۔ ''بس کرو! کل والا کام نہ کرنا۔ جس منہ سے ٹھونسو گی، اسی منہ سے نکالو گی۔'' ابھی ہم نے بریانی کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ حذیفہ بھیا کی آواز آئی۔ ''زیادہ نہ کھانا اور اگر کچھ کیا! تو! تو خود صاف کرنا۔'' غرض جتنے منہ اتنی الٹیاں۔ ایک سہیلی! ارے کیا ہوا؟ لگتا ہے ہم کچھ غلط لکھ گئے۔ خیر ہم تصحیح کیے دیتے ہیں۔ جتنے منہ اتنی باتیں! ٹھیک ہے ناں! ہاں تو ایک سہیلی ہماری میزبان تھی، کہنے لگی:

''کھاؤ کھاؤ اور کھاؤ۔'' ہم نے آستینیں چڑھاتے ہوئے کہا: ''کھانے کا کہہ رہی ہو ناں پھر قالین خود صاف کرنا۔'' یہ کہہ کر ہم نے کھانا شروع کر دیا۔ کہنے لگی: دکھتی تو کاکڑ ہو اور کھاتی اتنا ہو۔ کیا کسی کا پیٹ کرائے پر لیا ہوا ہے؟ جواباً ہم نے اپنا عظیم کارنامہ جو ہم اپنی بہن کے سسرال میں انجام دے چکے تھے، وہ سنایا تو ہماری سہیلی دانتوں تلے انگلیاں داب کر رہ گئی۔

کیا اچھا ہے، کیا برا ہے

1 یخ بستہ بہت زیادہ ٹھنڈا پانی پینے سے دانت اور اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں۔
2 صبح سو کر اٹھنے کے بعد اور رات کو سونے سے پہلے دانت صاف نہ کرنا صحت کے لیے نقصان دہ ہوتا ہے۔
3 متواتر ایک قسم کی غذائیں نہیں کھانی چاہییں۔
4 رات کے کھانے اور سونے کے وقت کے درمیان دو یا تین گھنٹے کا وقفہ ضروری ہے۔
5 گرمیوں میں گہرے رنگ کے کپڑے نہیں پہننے چاہییں۔
6 تیز مرچ مصالحہ صحت کے لیے مضر ہے۔
7 خالی معدہ یا شدید بھوک کی حالت میں چائے یا تمباکو نوشی صحت کے لیے نقصان دہ ہے۔
8 تمباکو نوشی پھیپھڑوں کا کینسر ہے، صحت کے لیے مضر ہے۔
9 درخت لگانے چاہییں، کیونکہ درخت اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں۔
10 اگر ہر وقت سر میں درد رہتا ہے تو 7 مرتبہ سورۃ الناس اول آخر درود شریف 3 مرتبہ پڑھ کر دم کریں تو سر درد ختم ہو جائے گا۔

محبت الٰہیہ کتب کا پیکیج
فقیہ العصر مفتی اعظم حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ
محبتِ الٰہیہ
صفحات 374
2 عورت کے بندے
3 فتنہ انکار حدیث
4 بدعات مروجہ
5 نماز میں مردوں کی غفلتیں
6 نفس کے بندے
7 نماز میں خواتین کی غفلتیں
8 اسلام میں ڈاڑھی کا مقام
9 مرض و موت
10 اصلاحِ خلق کا الٰہی نظام
اصل قیمت ~~750/=~~
رعایتی قیمت 450/=
منی آرڈر روانہ فرمائیں ڈاک خرچ مفت
کتاب گھر
السادات سینٹر بالمقابل دارالافتاء والارشاد ناظم آباد نمبر 4، کراچی 75600
فون: 021-36688747,36688239
ایکسٹینشن: 211 موبائل: 0305-2542686

چیزیں کھاتے وقت

بنتِ سیف الرحمٰن قاسم۔ گوجرانوالہ

غیر ملکی... بلکہ غیر مسلم ممالک کی بنی ہوئی چیزیں خریدتے وقت اس بات کا خیال رکھیں کہ وہ کسی حرام چیز سے تو تیار کردہ نہیں ہے۔ مثلاً اس میں کسی حرام جانور کی چربی (جیلیٹن) وغیرہ تو نہیں ہے۔

ہمارے ملک میں کے ایف سی اور میکڈونلڈ کے نام سے فاسٹ فوڈ کی بے شمار دکانیں کھل گئی ہیں۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ ان جگہوں کا کھانا اعلیٰ معیار کا ہے۔ وہاں جا کر فخر سے کھاتے ہیں۔

ہمارے شیخ مولانا حافظ ذوالفقار احمد نقشبندی فرماتے ہیں:

''ملک سے باہر ایک مدرسے میں ایک لڑکا قرآن ناظرہ پڑھنے کے لیے داخل ہوا۔ اس کے متعلق یہ خیال عام تھا کہ اپنے سکول میں اول انعام حاصل کرنے والا لڑکا ہے، لیکن مدرسے میں ایک سال تک پڑھنے کے بعد اس کا ایک پارہ بھی ختم نہیں ہوا۔ نگران حضرات نے استاد کو سمجھایا کہ اس طالب علم کی ترقی کی رفتار بہت ہی کم ہے۔ استاد نے کہا، میں نے محنت تو بہت کی ہے، بچے نے بھی خوب دل لگا کر پڑھا ہے مگر مسئلہ یہ ہے کہ جب یہ طالب علم چند صفحے آگے پڑھ لیتا ہے تو پچھلا سبق بھول جاتا ہے۔ ہم تو دماغ کھپا کر تھک گئے ہیں۔

طالب علم سے پوچھا گیا تو اس نے تصدیق کی کہ استاد نے پڑھانے میں کوئی کمی نہیں کی۔

اب طالب علم سے پوچھا گیا:

''آپ کیا چیزیں کھانے کے عادی ہیں؟''

اس نے پانچ چھ غیر ملکی ریسٹورنٹوں کے نام گنوا دیے ہیں جہاں وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ جا کر شام کا کھانا کھایا کرتا تھا۔ نگران حضرات نے اس کے ماں باپ کو بلوا کر سمجھایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حلال رزق دیا ہے مگر آپ کافروں کے ہاتھوں تیار شدہ حرام اور مشتبہ غذائیں بچے کو کھلاتے ہیں۔ اسی لیے بچہ قرآنِ کریم کی برکات سے محروم ہو گیا ہے۔ آپ وعدہ کریں، ان ریسٹورنٹوں کے کھانے نہ کھائیں، اگر آپ ایسا نہیں کر سکتے تو بچے کو اپنے ساتھ لے جائیں۔ اس کی تعلیم کا کوئی اور بندوبست کر لیں۔

والدین بات کی تہہ تک پہنچ گئے۔ انھوں نے طالب علم کو گھر کی چیزیں کھلانا شروع کر دیں۔ ایک ہی سال میں بچے نے قرآنِ کریم مکمل کر لیا۔

انتظار ختم

فیاض احمد۔ ترنڈہ محمد پناہ

وقت اتنی تیزی سے گزرا کہ بارہ سال کا عرصہ بیت گیا۔ ان بارہ سالوں میں شہاب الدین نے بہت محنت کی تھی۔ لندن کی شہریت حاصل کرنے کے لیے اس نے کتنے پاپڑ بیلے، رات دن ایک کر دیا تھا۔ اس دوران کئی شہر بدلے اور کئی کام کیے۔ ایک کے بعد دوسری بہتر ملازمت کا موقع ملتا رہا۔ آہستہ آہستہ آمدنی میں اضافہ ہوا اور شہاب الدین بھی جائز و ناجائز کی پروا کیے بغیر آگے بڑھتا گیا۔ آخر کار اس کے قدم جم گئے اور طویل صبر آزما انتظار کے بعد وہ دن بھی آ گیا کہ شہاب الدین کو لندن کی شہریت حاصل ہو گئی۔ آفس سے فون موصول ہو جانے کے باوجود وہ کافی دیر تک بے یقینی کی کیفیت میں رہا اور جب اسے یقین آیا تو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ خوشی سے فضاؤں میں اڑ رہا ہو۔ اب اسے خوابوں کی تعبیر مل چکی تھی۔ اس کے پاس بہت ساری دولت اکٹھی ہو چکی تھی اور وہ قانونی طور پر لندن کا شہری بن چکا تھا۔ اب وہ آزادانہ طور پر پاکستان جا اور واپس آ سکتا تھا۔ پاکستان کا خیال آتے ہی اسے اپنا چھوٹا سا گاؤں یاد آیا اور گاؤں میں اس کا انتظار کرتی بوڑھی ماں یاد آئی۔ ماں کا خیال آتے ہی وہ افسردہ ہو گیا۔ کتنے جھوٹ بولے تھے اس نے ماں کے ساتھ اور پچھلی مرتبہ جب ماں سے بات ہوئی تو اس نے پکا وعدہ کیا تھا کہ اس عید پر ضرور گھر آؤں گا اور اماں بھی کتنی سیدھی سادی تھی جو اس کی باتوں پر اعتبار کر لیتی تھی۔ بس اب انتظار ختم۔ شہاب الدین نے سوچا اور وطن واپسی کے انتظامات میں مصروف ہو گیا۔

○

شہاب الدین کو بیس منٹ کا سفر بھی بیس گھنٹوں کا لگ رہا تھا۔ ائیر پورٹ سے اس نے ٹیکسی کر لی تھی اور اب فاصلہ بیس پچیس کلو میٹر رہ گیا تھا۔ شہاب الدین کے دل کی دھڑکن بے ترتیب ہونے لگی۔ وہ اس لمحے کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ جب وہ اچانک بغیر اطلاع ماں کے سامنے پہنچ جائے گا تو ماں کی کیا کیفیت ہو گی۔ خوشی سے بے ہوش نہ ہو جائے۔ وہ زیرِ لب مسکرایا اور پھر خیالوں میں کھو گیا۔ اب کافی بوڑھی ہو چکی ہو گی ماں۔ پتا نہیں مجھے بارہ سال بعد اچانک سامنے دیکھ کر پہچان لے گی یا نہیں؟ کیسے نہیں پہچانے گی۔ ماں تو اپنی چھٹی حس سے بھی اولاد کو پہچان لیتی ہے۔ شہاب الدین نے سر ہلاتے ہوئے سوچا۔ ماں ناراض تو ہو گی، لیکن خیر میں منا لوں گا۔ صاحب جی! آپ کا سٹاپ آ گیا ہے، کہاں روکوں؟ ڈرائیور کی آواز آئی تو شہاب الدین چونک کر خیالوں کی دنیا سے نکل آیا۔

○

شہاب الدین نے حیرت سے چاروں طرف دیکھا۔ اس سے اپنا گاؤں پہچانا نہیں جا رہا تھا، پختہ گلیاں بن چکی تھیں۔ سامنے ایک پمپ پٹرول نظر آ رہا تھا۔ چاچا نور الدین کی چھوٹی سی دکان والی جگہ پر ایک جنرل سٹور نظر آ رہا تھا جس کے ساتھ والی گلی میں شہاب الدین کا گھر تھا۔ وہ دھڑکتے دل سے آگے بڑھا اور اپنا گھر پہچان کر دروازہ بجایا تو ایک چھ سات سال کا بچہ باہر نکل آیا جو شاید اس کا بھتیجا تھا۔ بیٹا آپ کا نام کیا ہے؟ شہاب الدین نے پوچھا، اتنے میں دروازہ کھلا اور اندر سے ایک شخص نکلا۔ شہاب الدین نے پہچان لیا۔ وہ اس کا بڑا بھائی فخر الدین تھا۔ اس نے شہاب الدین کو دیکھا تو ٹھٹک کر رک گیا۔ اوئے شابو! تم! اس کے منہ سے اتنا نکلا اور شہاب الدین بھاگ کر بھائی کے گلے لگ گیا۔ گھر کے اندر داخل ہو کر شہاب الدین نے چاروں طرف متلاشی نظریں دوڑائیں۔ بھائی! ماں کہاں ہے؟ فخر الدین نے سر جھکا لیا اور آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ شہاب الدین کا دل ڈوبنے لگا۔ بھائی! بتاؤ نا! شہاب الدین عرف شابو نے بے تابی سے پوچھا۔ اماں کو فوت ہوئے ایک سال ہو گیا ہے اور اماں نے کہا تھا، شابو کو نہ بتانا، ورنہ وہ پردیس میں تڑپے گا، روئے گا میرا شابو! شہاب الدین یہ سن کر اس جگہ گرنے کے انداز میں بیٹھ گیا۔ وہ تو ماں کو حیران کرنا چاہتا تھا، لیکن ماں نے تو اسے حیران کر دیا تھا۔

آمنے سامنے

☆ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! 2010ء سے بچوں کا اسلام پڑھنا شروع کیا ہے۔ یہ ہمارا محبوب رسالہ ہے۔ 2011 میں ملک سے باہر جانا پڑا۔ وہاں نیٹ پر بچوں کا اسلام پڑھتے تھے، لیکن اس طرح وہ مزہ نہیں آتا تھا جو ہاتھوں میں لے کر پڑھنے میں آتا ہے۔ کچھ معلومات ارسال کر رہے ہیں۔ امید ہے، شائع کریں گے۔ (بنتِ قاری محمد علی۔ لاہور)

ج: خوشی کی بات ہے۔

☆ دو تین سال سے بچوں کا اسلام پڑھنا شروع کیا ہے۔ بہت اچھا جا رہا ہے۔ سبھی اچھا لکھ رہے ہیں، البتہ مجھے نیوز چینل پسند نہیں۔ اسے ختم کر دیں۔ پہلی مرتبہ خط لکھ رہی ہوں۔ مجھے مزاحیہ کہانیاں اچھی لگتی ہیں۔ 567 میں ایک مضمون میں لکھا ہے کہ زیادہ پانی پینا کمزوری پیدا کرتا ہے جب کہ ہم نے سنا ہے کہ زیادہ پانی پینا صحت کے لیے اچھا ہے۔ (عظمٰی بنتِ محمد عرفان خان۔ کراچی)

ج: اس میں اصول یہ ہے کہ زبردستی زیادہ پانی نہ پیا جائے۔ اپنی طلب کے مطابق پئیں۔

☆ دادا جان! بچوں کا اسلام واحد رسالہ ہے جو گمراہ انسانیت کو تاریکی میں نور عطا کر رہا ہے۔ اس کی ہر کہانی اور ہر چیز منفرد ہے۔ بچوں کا اسلام نہایت دلچسپی سے پڑھتی ہوں۔ مجھے آپ کے ناول بھی بے حد پسند ہیں اور آپ کی شخصیت بہت پسند ہے۔ شاہد فاروق کا نیوز چینل بہت پسند ہے اور وہ خطوط پسند ہیں جن کے نیچے آپ جواب لکھتے ہیں۔ کاش! میرا خط بھی انھی میں شامل ہو جائے۔ (زینب عمران۔ تربیلا)

ج: آپ کی دعا قبول ہوگئی۔

☆ خط لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ کا رسالہ بہت اچھا ہے۔ آپ ہمارے لیے اثر جون پوری سے گزارش کر دیں کہ کبھی ان کی نظم میں اثر فٹ نہ بیٹھ رہا ہو تو بلا جھجک ہمارا نام لکھ سکتے ہیں۔ (محمد اویس عباس۔ نواب شاہ)

ج: بہت خوب فرمائش ہے۔

☆ کچھ مدت پہلے میں نے کہانی ارسال کی تھی۔ چھ ماہ بعد شائع ہوئی اور پہلی کہانی ہی شائع ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ردی کی بالٹی سے بچا لیا۔ خطوط نمبر دیکھ کر خط لکھنے کا جذبہ پیدا ہوا۔ آپ سے گزارش ہے کہ ختمِ نبوت نمبر بھی شائع کریں۔ (حافظ عمر عثمان۔ چنیوٹ)

ج: معلوم ہوا! ردی کی بالٹی کسی پر ظلم نہیں کرتی۔

☆ بچوں کا اسلام کی خاموش اور پرانی قاریہ ہوں۔ جس بات نے مجھے خط لکھنے پر مجبور کیا، وہ بات یہ ہے کہ آپ ہر مرتبہ اپنا ہی ناول کیوں لگاتے ہیں اور سب ناولوں میں کردار وہی ہوتے ہیں۔ کسی اور کو بھی موقع دیں یا پھر ہمیں انتظامیہ کا پتا دیں، تا کہ ہم ان سے پوچھ سکیں کہ آخر اشتیاق احمد اپنا ناول ہی کیوں لگاتے ہیں۔ (مریم بنتِ سعید احمد۔ ملتان)

ج: بچوں کا اسلام پر انتظامیہ کا پتا لکھا ہوتا ہے۔ بچوں کا اسلام کے قارئین کسی ناول یا ناول نگار کا نام تجویز کر دیں۔ میں ان کا ناول اگر وہ اجازت دیں گے تو لگانا شروع کر دوں گا۔ یا آپ کوئی ناول ارسال کر دیں۔ شکریہ!

☆ پرانی قاریہ ہوں۔ میرے صبر کی انتہا دیکھیے کہ خطوط کا آئی، نا کے زمانے سے خط لکھنے کے لیے پر تول رہی ہوں، مگر پروں کی متوقع فنی خرابی کے باعث جب بھی لکھنے کی کوشش کی ہے، یہی محسوس کیا کہ ان ٹکٹوں میں تیل نہیں اور یہ بات اٹکتے اٹکتے آم کے موسم تک آ پہنچی۔ اتنا عرصہ تک بچوں کا اسلام پڑھنے کے بعد ایک بات ضرور محسوس کی کہ بچوں کا اسلام کے ہر ادیب نے رسالے میں چار چاند کا اضافہ ضرور کیا ہے اور اب ان چار چاندوں کی تعداد اس قدر بڑھ گئی ہے کہ مجھے تشویش لاحق ہونے لگی ہے، لہٰذا میں نے فیصلہ کیا کہ اس کے چار چاند گھٹانے اور اسے نظرِ بد سے بچانے کے لیے قلم ہاتھ میں لینا چاہیے۔
(شمسہ کنول بنتِ عبدالرزاق۔ ایبٹ آباد)

ج: آپ نے بہت مزے کا خط لکھا۔ افسوس پورا خط شائع نہیں کر سکتا۔

☆ میں دوسروں کی طرح یہ نہیں کہوں گی کہ میرے خطوط کو زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا۔ پر میری بہنیں کہتی ہیں کہ اس بار تمہارا خط نہیں آیا تو میں کہتی ہوں، اس بار نہیں آیا تو اگلی بار آ جائے گا۔ (مہوش۔ ملتان)

ج: بالکل ٹھیک!

☆ بہت دنوں تک خط لکھنے کی کوشش میں رہا۔ کبھی وقت نہ ملا تو کبھی ذہن نہ چلا، بس اسی کشمکش میں کبھی رات ہوگئی، کبھی دن ڈھل گیا۔ بچوں کا اسلام کے بارے میں بس یہی کہوں گا کہ یہ رسالہ اس پر آشوب دور میں کسی نعمت سے کم نہیں۔ اللہ تعالیٰ ترقی عطا فرمائے۔ آمین۔ (طٰہٰ اسلام۔ نیول کالونی۔ کراچی)

ج: آمین!

☆ امید ہے، آپ ٹھیک ہوں گے۔ آخر ہماری ڈھیر ساری دعائیں جو آپ کے ساتھ ہیں۔ بچوں کا اسلام بہت اچھا جا رہا ہے۔ پہلی بار خط لکھا ہے اور ایک کہانی ارسال کر رہا ہوں۔ (عبداللہ شیخ۔ گمبٹ)

ج: آپ نے بالکل درست فرمایا۔

☆ پورے شمارے پر خواتین چھائی نظر آتی ہیں، لیکن اس میں آپ کا بھی کیا قصور۔ دور ہی عورتوں کا ہے کسی بھی شعبے کو لے لیں، لیکن روزنامہ اسلام سے منسلک رسائل کی قاریات کی تو بات اور ہے۔ اللہ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے اور یہ سلسلہ اسی طرح رواں دواں رہے۔ ردی کی بالٹی نے تو اب ردی کے کنویں کا روپ دھار لیا ہے۔
(محمد عبدالعزیز لغاری۔ روڈ و سلطان)

ج: اب تو پھر میرے لیے بھی مسئلہ بن جائے گا۔

☆ مجھے لگتا ہے میں آخری بار خط لکھ رہی ہوں۔ اگر پسند آئے تو شائع کر دیں۔ پہلا خط شائع کرنے پر شکریہ! حوصلہ افزائی ہوئی۔ رسالہ آنے پر سب سے پہلے آپ کا ناول پڑھتے ہیں اور بہت شدت سے اگلے خط کا انتظار کرتے ہیں۔ (کلثوم حبیب۔ کہروڑ پکا)

ج: آپ نے یہ نہیں لکھا کہ آپ کو ایسا کیوں لگ رہا ہے۔

☆ آپ سے ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں۔ آج کے دور میں بیت المقدس کو سلطان صلاح الدین جیسا کوئی مجاہد آزاد کرائے گا یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کروائیں گے۔ دوسرا سوال! کیا سر کے اور کن پٹی کے بال کھانے سے کینسر، کوئی اور بیماری ہو سکتی ہے۔ (رانا غازی خان۔ لاہور)

ج: حالات تو اب یہی کہہ رہے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول قریب ہے، لیکن آپ علیہ السلام سے پہلے حضرت امام مہدی تشریف لائیں گے۔ بال کھانا حرام ہے۔ کیا بال بھی کوئی کھاتا ہے۔

کیا؟

کیا آپ کو بچوں کا اسلام ملنے میں دشواری ہوتی ہے۔
کیا بچوں کا اسلام آپ تک پہنچتا ہی نہیں۔
کیا آپ کو ادارے سے یا ادارے کے کسی فرد سے کوئی شکایت ہے
کیا آپ کو اس بار کا سالنامہ نہیں مل سکا۔
کیا آپ کا ہاکر آپ کو روزنامہ اسلام، ضربِ مومن اور بزنس اینڈ شریعہ وقت پر نہیں پہنچاتا۔

ان تمام کیاؤں سے آپ کو کسی ایک کیا کے بھی سامنا ہے تو شعبہ شکایات سے فون پر بات کریں۔

شعبہ شکایات کے انچارج کا نام اور موبائل نمبر:
مولانا محمد کاشف: موبائل 0321-3557807

مزاحیہ انٹرویو

حافظ بلال پاشا۔ واہ کینٹ

''یہ کہاں کا انصاف ہے، اگر ادارہ بے حس ہوگیا ہے تو ہم خود ہی قلم اٹھائیں گے، آخر دیگر مصنفوں کی طرح ہم بھی ایک معزز ادیب ہیں، لیکن ہمارا انٹرویو لینے کو تو کوئی تیار ہی نہیں۔ تو کیا ہوا، ہم خود ہی اپنا انٹرویو لے لیتے ہیں۔'' بس اس سوچ کے آتے ہی ہم نے فیصلہ کرلیا کہ کسی کا انتظار کیے بغیر خود ہی اپنا انٹرویو شائع کریں گے۔ بس پھر کیا تھا، رات کو دوست سے ایک اچھا سا سوٹ ادھار لے آئے۔ پھر بھرپور تیاری کے بعد مائیک ہاتھ میں لے کر شیشے کے سامنے آبیٹھے۔ ہمارے عکس نے ہم سے انٹرویو لینا شروع کیا اور ہم جوابات دینے لگے۔

عکس: السلام علیکم! کیا نام ہے آپ کا۔

ہم: وعلیکم السلام! (غصے سے) نام میں بتاؤں؟ ذرا گھٹنوں میں موجود اپنی عقل کو استعمال کرتے ہوئے آنکھیں نما بٹنوں سے اپنے سوالات کے پیڈ پر دیکھو، وہاں لکھا ہوا ہے۔

''اس نے تو سب کے سامنے ہی چنگی بھلی طبیعت صاف کر دی۔ عجیب بندہ ہے۔ چلو اس بہانے گم شدہ عقل کا تو پتا چل گیا۔'' ہمارے عکس نے دو تین مختلف شیشوں میں نظر آنے والے تماشائی عکسوں کی طرف شرما کر دیکھتے ہوئے نہایت دھیمے لہجے میں کہا، لیکن ہمارے کانوں کا سیریل نمبر شاید فرزانہ کے کانوں سے ملتا تھا، اس لیے ہم نے سن لیا، لیکن مصلحتاً خاموش ہی رہے۔

عکس: جج جج جی پتا چل گیا! اچھا اب اگلا سوال! آپ کی تنخواہ کتنی ہے؟

ہم: آپ بھی عجیب سوال کرتے ہیں۔ مشہور ہے نا کہ لڑکے سے اس کی تنخواہ اور لڑکی سے اس کی عمر کبھی نہ پوچھو۔

عکس: آپ کو جنوں، بھوتوں سے ڈر تو نہیں لگتا نا؟

ہم: آپ اصل جن بھوت کی بات کرتے ہیں، میں تو کاغذ پر جن بنا دیکھ لوں تو مجھے ڈرپ لگنے والی ہوجاتی ہے۔

عکس: اوہو! اتنا ڈرنے کی وجہ۔

ہم: اصل میں، میں نے ایک دفعہ پپیتا کاٹا تو اس میں سے جن نکلا، اُس نے پوچھا کوئی حکم میرے آقا، میری جو شامت آئی تو میں نے کہہ دیا کہ میرے لیے ایک کوٹھی بنا دو۔ اُس نے ایک ایسا جھانپڑ رسید کیا کہ میری آنکھوں کے سامنے کوٹھی ناچنے لگی اور جن بولا، بے وقوف! کوٹھی بنا سکتا تو پپیتے میں کیوں رہتا۔ بس وہ دن اور آج کا دن، کسی جن کی تصویر بھی دیکھ لوں تو حالت پتلی ہوجاتی ہے۔

عکس: بس آخری سوال کا جواب دیں کہ اگر دادا جان نے آپ کا انٹرویو شائع نہ کیا تو اس صورت میں آپ کیا کریں گے؟

ہم: شروع میں تو التجا بھرے خطوط کی گولیاں برسائیں گے اور دوسرے مرحلے میں ناقابلِ اشاعت کہانیوں کے میزائل داغیں گے جن کو ردی کی ٹوکری میں ڈالتے ڈالتے دادا جان کا سر چکرا جائے گا اور پھر آخر میں فرائی حملے کے طور پر دادا جان کو کہانی لکھنے کا کوئی انوکھا طریقہ لکھ بھیجیں گے۔

عکس: امید ہے کہ آپ کے فرائی حملے سے بچنے کے لیے دادا جان کو کچھ سوچنا پڑے گا۔ اچھا اس کے ساتھ ہی مجھے اجازت دیں۔

ہم: جی بالکل اجازت ہے!

ہم نے اٹھتے ہوئے اجازت دی اور ہمارے ساتھ ساتھ ہی انٹرویو لینے والا اور تماشائی عکس بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ ابھی ہم ادھار کپڑے واپس کرنے کا سوچ ہی رہے تھے کہ ''شڑ'' کی آواز کے ساتھ سینڈل اڑتا ہوا ہمارے سر سے ٹکرایا، عرصہ پہلے سر نہ دھونے کی وجہ سے ہمارے سر سے دھول کا ایک غبار اٹھا اور ہمارا مائیک جو کہ اصل میں چکلہ بیلن تھا، اڑتا ہوا سامنے کھڑی والدہ صاحبہ کے اُس ہاتھ میں پہنچ گیا جس میں کچھ دیر پہلے سینڈل تھا اور ہم چکراتے سر کے ساتھ وہیں پر ڈھیر ہوگئے۔

اہم معلومات

ہمیں یہ تو پتا ہے کہ ریڈیو مارکونی کی اور بلب ایڈیسن کی ایجاد ہے۔ لیکن ایہ نہیں پتا کہ:

صابن: حضرت صالح علیہ السلام کی ایجاد ہے۔

تیل: حضرت یوسف علیہ السلام کی ایجاد ہے۔

کشتی: حضرت نوح علیہ السلام کی ایجاد ہے۔

شیشہ: حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایجاد ہے۔

سوئی: حضرت ادریس علیہ السلام کی ایجاد ہے۔

کنگھی: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایجاد ہے۔

یعنی کہ ایجادات کا سلسلہ ہمارے انبیاءِ کرام علیہ السلام نے شروع کیا۔

بچوں اور نوجوانوں کے لیے منفرد ہفتہ وار انگریزی میگزین

The TRUTH

Subscription Charges

Rs. 1200 for 1 Year (52 Issues — 4 issues free)
Rs. 600 for 6 months (26 Issues — 2 issues free)
Rs. 300 for 3 months (13 Issues — 1 issue free)

Bank Account: The Truth Intr. Current A/c no. 0184-0100310268 Meezan Bank Gulshan-e-Maymar, Karachi

کراچی: 0334-3372304 | حیدر آباد: 0300-3037026
لاہور: 0300-4284430 | سرگودھا: 0321-6018171 | سکھر: 0300-9313528
فیصل آباد: 0333-4365150 | راولپنڈی: 0321-5352745 | ملتان: 0305-8425669
پشاور: 0314-9007293 | کوئٹہ: 0321-8045069

پرانے شمارے بھی منگوائے جاسکتے ہیں

سبسکرپشن اور دیگر معلومات کیلئے مرکزی رابطہ

ڈی تھرتھ 4-G-1/11 ناظم آباد نمبر 4 کراچی
0322-2740052, 021-36881355

www.thetruthmag.com | info@thetruthmag.com